ماڈرن الہ دین
PAKSOCIETY.COM

جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ناشران ——— اشرف قریشی
——— یوسف قریشی
تزئین ——— محمد بلال قریشی
طابع ——— پرنٹ یارڈ پرنٹرز لاہور
قیمت ——— -/18 روپے

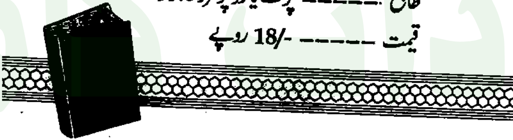

الہ دین بڑا سیدھا سادھا اور شریف آدمی تھا۔ وہ ایک گاؤں میں اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا اس کا چچا کراچی شہر میں رہتا تھا الہ دین کو کراچی دیکھنے کا بڑا شوق تھا اور وہ ہر وقت کراچی ہی کی باتیں کرتا رہتا تھا حالانکہ اس نے کراچی شہر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

آخر اس کا شوق اور ضد دیکھ کر اسکے باپ نے اسے کچھ دنوں کے لئے اپنے چچا کے پاس کراچی جانے کی اجازت دیدی۔ الہ دین

بہت خوش ہوا اس رات تو اسے خوشی کے مارے نیند بھی نہ آئی۔ اور جانے کے شوق میں آدھی رات کو ہی اٹھ کر نہا دھو کر نئے کپڑے پہن کر تیار ہوگیا۔ ماں باپ نے اسے کئی اچھی اچھی باتیں سمجھائیں۔ تاکہ وہ راستہ میں ہی گاڑی سے نہ اتر جائے آخر خدا خدا کرکے دن چڑھا۔ الہ دین کا باپ اس کے ساتھ جاکر اسے گاڑی پر سوار کر آیا۔

کراچی تو کراچی اس نے اس سے پہلے کوئی اور شہر بھی نہ دیکھا تھا۔ اس لئے کراچی پہنچا تو بڑی بڑی عمارتیں کھلی کھلی سڑکیں بسوں اور کاروں کی لائنیں لگی دیکھکر بہت حیران ہوا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنے باپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا رہا کچھ لوگوں سے بھی پوچھا۔ اس طرح وہ رات ہونے سے پہلے پہلے اپنے چچا کے گھر پہنچ گیا۔

اس کی چچی نے تو اسے پہچانا بھی نہیں

مگر اس کے چچا نے اسے پہچان کر گلے سے لگا کر پیار کیا۔ الہ دین گاؤں سے کچھ چیزیں لے کر آیا تھا اس نے وہ چیزیں نکال کر اپنی چچی کو دے دیں۔

چند دنوں میں ہی الہ دین کچھ خاص خاص سڑکوں اور بازاروں کو جاننے پہچاننے لگ گیا۔ اس کے چچا کا لڑکا اسے ساتھ لیکر مختلف جگہوں کی سیر کراتا رہا۔ الہ دین اتنا خوش تھا جسکا کوئی حساب نہیں۔ اب وہ اکیلے بھی باہر جانے لگ گیا۔

ایک دن الہ دین کا دل بہت چاہا کہ جاکر سمندر کو بھی دیکھ آئے۔ سمندر کے بارے میں اس نے بہت سی باتیں سن رکھی تھیں اس لئے الہ دین سمندر کی طرف چل پڑا۔

سمندر آیا تو وہ بہت حیران ہوا کہ لوگ خواہ مخواہ سمندر سمندر کرتے ہیں۔ کیا ہے ایک بڑا دریا ہے اس لئے اسے دریا کیوں نہیں کہتے۔ اس نے سمندر کا اچھی طرح نظارہ کیا سمندر کی طرف دیکھکر وہ نہانے سے ڈرتے

لگا تھا کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد اس نے نہانے کا ارادہ کر ہی لیا۔ کپڑے اتار کر کنارے پر رکھے اور خدا کا نام لے کر پانی میں اتر گیا برف کی طرح ٹھنڈا پانی جسم سے چھوتے ہی وہ تیر کی طرح بھاگ کر پانی سے باہر نکل آیا۔

چند منٹ تک یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ پھر آہستہ آہستہ پانی میں داخل ہو گیا چند قدم بڑھانے کے بعد وہ گھٹنوں گھٹنوں پانی میں جاکر کھڑا ہوگیا اور ہاتھوں سے جسم پر پانی ڈال کر نہانے لگا۔

اب اس کے دل سے تمام ڈر و خوف نکل چکا تھا اور وہ اطمینان سے نہانے میں مصروف ہوگیا۔ عین اسی وقت سمندر نے بھی کروٹ لی۔ اور پانی کی ایک بہت بڑی لہر اس کی طرف بڑھتی نظر آئی الہ دین نے دیکھا تو پوری طاقت سے کنارے کی طرف بھاگا مگر لہر کی تیز رفتاری بھلا اسے کہاں بھاگنے دیتی تھی۔

پانی کی لہر آئی اور پھر سمندر میں واپس چلی گئی۔ لیکن اب پانی الہ دین کے اتارے ہوئے کپڑے بھی ساتھ لے گیا اس نے دور دور تک نظر دوڑائی مگر اسے اپنے کپڑے کہیں بھی نظر نہ آئے اب وہ ایک لنگوٹ باندھے بے وقوفوں کی طرح اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا اب وہ یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ وہ اس لنگوٹ میں گھر کیسے پہنچے گا۔ نہانا تو وہ اس طرح بھول گیا تھا جیسے نہانے کی بجائے یونہی ریت پھانکتا رہا ہو۔

اس نے ایکبار پھر کپڑوں کی تلاش میں پانی میں نظریں دوڑائیں مگر کپڑوں کی بجائے اسے اپنے سے چند گز دور ایک برتن سا پڑا نظر آیا۔ الہ دین حیران حیران نظروں سے اس برتن کی طرف دیکھنے لگا پھر وہ جلدی سے اس برتن کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچا تو معلوم کہ وہ ایک لوٹا ہے اس نے لوٹا اٹھا لیا اور حیرت بھری نگاہوں سے اس

کے بندھے ہوئے منہ کی طرف دیکھنے لگا لوٹے کا منہ بالکل اس دیگچی کی طرح بند تھا جس میں وہ اپنے گاؤں سے اپنے چچا کے لئے گھی لے کر آیا تھا۔ وہ اپنے کپڑوں کو بھی بھول گیا تھا اور نہ ہی اسے یہ یاد رہا تھا کہ وہ لنگوٹ باندھے ہوئے ہے۔

غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ لوٹے کا منہ چمڑے جیسی کسی چیز سے منڈھا ہوا تھا بالکل اس طرح جیسے کوئی ڈگڈگی منڈھی ہوئی ہو۔ اس نے لوٹے کو ادھر اُدھر ہلاکر دیکھا اس میں کوئی چیز تو نہیں۔ مگر نہ تو کوئی چیز محسوس ہوئی اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی آواز ہی اسے سنائی دی۔

الہ دین نے اندازہ لگایا کہ چار پانچ روپے کا پتیل ضرور ہوگا۔ مگر یہ اس پر چمڑا کیوں منڈھا ہوا ہے اس نے دل میں سوچا ذرا کھول کر تو دیکھیں۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ایک انگلی چمڑے والے حصے پر ماری

اس سے بالکل ویسی ہی آواز پیدا ہوئی جس طرح ڈگڈگی کی آواز ہوتی ہے۔ اس نے چوٹ ذرا اور زور سے لگائی چھٹ کی سی آواز کے ساتھ چمڑہ پھٹ گیا۔ چمڑے کے پھٹتے ہی لوٹے کے اندر سے گہرے سیاہ دھوئیں کی ایک موٹی سی لکیر پھوٹ نکلی۔

دھواں دیکھتے ہی الہ دین گھبرا گیا اور لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ریت پر جا گرا۔ لیکن دھواں نکلنے کا یہ سلسلہ اب بھی جاری تھا دھواں لوٹے سے نکل نکل کر ایک جگہ جمع ہونے لگا تھا۔ الہ دین حیرت سے آنکھیں پھاڑے لوٹے کی طرف دیکھے جارہا تھا اب دھواں آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا تھا۔ دھوئیں کے ساتھ ساتھ الہ دین کی نگاہیں بھی اوپر کی طرف اٹھتی جا رہی تھیں دس بارہ فٹ کی بلندی پر جاکر دھواں ٹھہر گیا الہ دین نے دیکھا تو دھواں اوپر سے نیچے تک پھیلا ہوا تھا۔

الہ دین کی حیرت ابھی کم بھی نہیں ہوئی

تھی کہ دھواں آہستہ آہستہ غائب ہونے لگا اور اس کی جگہ کچھ عجیب وغریب سی چیز نظر آنے لگی تھی چند لمحوں بعد اس کے سامنے ایک دس بارہ فٹ لمبا ایک آدمی کھڑا تھا الہ دین کے ہوش اسے دیکھتے ہی گم ہو گئے اور وہ گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا دونوں نے صرف لنگوٹیاں باندھی ہوئی تھیں

دس بارہ فٹ لمبا آدمی اسکے سامنے لنگوٹ باندھے کھڑا تھا الہ دین نے بھی لنگوٹ ہی باندھا ہوا تھا اسطرح وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے کہ الہ دین اسکے سامنے کوئی پلاسٹک کا کھلونا معلوم ہوتا تھا قریب تھا کہ الہ دین خوف یا حیرت سے بیہوش ہو جاتا مگر ایک بھاری اور کرخت آواز نے اسے بیہوش ہونے سے روک لیا آواز کہہ رہی تھی۔

"میرے آقا غلام حاضر ہے" الہ دین نے سنا تو اسے اپنے کانوں پہ یقین نہ آیا لیکن وہ اس لمبے آدمی کے لب ہلتے دیکھ چکا تھا۔ اس نے کئی کتابوں میں جنوں اور

بھوتوں کی کہانیاں پڑھی تھیں اس لئے اس لمبے آدمی کے اسطرح بولنے سے اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی ایک جن ہی ہوگا یہ خیال آتے ہی وہ ذرا ہوشیار ہو گیا کیونکہ جان گیا تھا کہ اس نے اسے ہی مخاطب کیا ہے۔

"تم کون ہو؟ الہ دین نے ڈرتے ڈرتے منہ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

"میں ایک جن ہوں اور اب آپکا غلام ہوں کیونکہ آپ نے مجھے اس لوٹے کی قید سے آزاد کیا ہے" جن نے بھاری آواز میں کہا۔

یہ سنتے ہی الہ دین خوش ہوگیا اور اب اس کے دل میں سے تمام ڈر اور خوف نکل گیا تھا اس لئے اب وہ اپنی جگہ مطمئن ہوکر کھڑا تھا۔

"تمہیں اس لوٹے میں کس نے بند کیا تھا" الہ دین نے پھر سوال کیا۔

"کیا آپ طلسمی چراغ والے الہ دین کی کہانی

جانتے ہیں؟" جن نے پوچھا۔

"ہاں ہاں" الہ دین فوراً بولا "میں نے کتاب میں پڑھا ہے اور اپنے ابّا سے بھی الہ دین چراغ کی کہانی سنی ہوئی ہے۔"

"بس تو جان لیجئے کہ میں وہی چراغ والا جن ہوں اور مجھے ایک جادوگر نے غصے میں آکر اس لوٹے میں بند کر دیا تھا اس طرح میں ہزاروں سال سے اس میں قید تھا۔ کیا آپ کا نام بھی الہ دین ہی ہے" جن نے اپنی کہانی سنا کر پوچھا۔

"ہاں' مگر تمہیں میرا نام کس طرح معلوم ہوا" الہ دین حیرانی سے بولا۔

"کیونکہ اس جادوگر نے مجھے بتایا تھا کہ مجھے ایکبار پھر الہ دین نامی نوجوان کی غلامی کرنا پڑے گی۔" جن نے کہا۔

"اچھا مگر تم الہ دین کے پاس سے اس جادوگر کے پاس کس طرح چلے گئے تھے؟" الہ دین نے پھر سوال کیا۔

"بس یہ نہ پوچھیں قصے کہانیوں میں بھی

یہ بات نہیں بتائی گئی مگر اتنا ضرور کہونگا کہ الہ دین نے بھی میرے ساتھ انصاف نہیں کیا تھا اور مجھ سے تمام بڑے بڑے کام لے کر مجھے ایک جادوگر کے پاس بھیج دیا تھا" جن نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"اچھا" الہ دین حیرانی سے بولا "یہ بات تو واقعی کسی کو معلوم نہیں مگر اس نے ایسا کیوں کیا تھا" الہ دین نے پوچھا۔

"کیونکہ وہ اس جادوگر سے جادو سیکھنا چاہتا تھا۔" جن نے جواب دیا۔

"پھر......؟"

"بس بات ذرا لمبی ہے اسلئے اب جانے دیں۔ فی الحال میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک سکتا۔ اس لئے اگر کوئی کام ہو تو بتائیں۔" جن نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔

الہ دین کو فوراً اپنے کپڑے یاد آگئے اس لئے اس نے جن کا امتحان لینے کے بارے میں سوچا۔ اور جن کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک جوڑا کپڑوں کا لے کر آئے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

"بہت اچھا میرے آقا" جن ذرا جھکتے ہوئے بولا اور اسی وقت الہ دین کی نظروں کے سامنے سے غائب ہوگیا اور الہ دین کھڑا دیکھتا رہ گیا

جن کے جانے کے بعد الہ دین کو خیال آیا کہ وہ اسے دھوکہ نہ دے گیا ہو اور یہ خیال بھی اس کے دل میں آیا کہ اس نے کپڑوں کا جوڑا مانگ کر بڑی غلطی کی ہے بلکہ اسے تو یہ چاہیئے تھا کہ جن سے بہت ساری دولت مانگ لیتا اور ساری عمر عیش کرتا

ابھی الہ دین نے یہاں تک ہی سوچا تھا کہ جن اچانک پھر نمودار ہو گیا جن کو دیکھتے ہی الہ دین کی جان میں جان آئی اور دل کو پکا یقین ہوگیا کہ وہ واقعی ایک جن ہے کیونکہ جن نے اپنے ہاتھوں میں ایک جوڑا کپڑوں کا بھی پکڑ رکھا تھا الہ دین نے ہاتھ بڑھایا تو جن نے جھک کر کپڑے اسے دیئے۔

"ارے یہ کیا؟ یہ تو پرانے کپڑے معلوم

ہوتے ہیں" الہ دین حیرت سے بولا۔

"جی ہاں آقا" نئے کپڑے کہاں سے لاتا وہ تو بہت مہنگے ہو گئے ہیں اور اس لئے درزی لوگ الماریوں کو تالہ لگا کر رکھتے ہیں اس لئے میں آپ کے لئے لنڈابازار سے ہی ایک جوڑا لے آیا ہوں" جن نے جواب دیا۔

الہ دین کیا بولتا چپ ہی رہا۔ کپڑے اچھے صاف ستھرے تھے۔

"کیا میں اب جاؤں" جن نے پوچھا۔

الہ دین کو طلسمی چراغ والے الہ دین کی ساری کہانی بھی یاد تھی اس لئے اس نے فوراً جواب دیا۔

"بھائی جن صاحب اگر مجھے پھر کوئی کام پڑے تو کیا وہ بھی کرو گے؟"

"ہاں میرے آقا میں آپ کا ہر جائز حکم بجا لاؤنگا"

"تو پھر میں دوبارہ تمہیں کسطرح بلاؤں گا" الہ دین نے عقلمندوں کی طرح پوچھا۔

جن نے ایک ہاتھ اپنے سر کی طرف بڑھایا

اور ایک بال توڑ کر الہ دین کے ہاتھ میں دے دیا اور بولا۔

"آقا جب بھی میری ضرورت پڑے اس بال کو ذرا گرم کر دینا میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور دیکھیے گرمی دیتے وقت یہ بال ہی نہ جل جائے اگر ایسا ہوا تو میں پھر کبھی نہیں آؤں گا اور آزاد ہوکر اپنے وطن لوٹ جاؤں گا۔"

الہ دین نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ میں تین چار گز لمبا ایک بال پکڑا ہوا تھا وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ اب وہ جس وقت چاہے اسے بلا لیا کرے گا۔

"اچھا اب تم جاؤ" الہ دین نے شاہانہ ٹھاٹ سے کہا اور جن فوراً اس کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

الہ دین نے جن کے لائے ہوئے لنڈے بازار کے کپڑے پہن لئے مگر اب اسے یاد آیا کہ اس کے جوتے بھی تو نہیں

ہیں۔ کیونکہ وہ بھی سمندر کا پانی بہا کر لے گیا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ جن کو بھی ابھی بلانا نہیں چاہتا تھا اور سوچ رہا تھا کہ کہیں بار بار بلانے سے جن ناراض ہی نہ ہو جائے۔

اس لئے اس نے پیتل کا لوٹا اٹھایا اور ننگے پاؤں ہی گھر کی طرف چلدیا۔

"اگر چچا نے جوتوں کے بارے میں پوچھا تو وہ کیا جواب دیگا۔ راستے میں الہ دین نے سوچا مگر اس وقت اسے کوئی خیال آیا اور وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا بازار کی سمت مڑ گیا وہاں ایک پرانے برتنوں کی دوکان پر اس نے لوٹا بیچنے کیلئے دوکاندار کو دیا۔ دکان والے نے الہ دین کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور لوٹے کو پکڑتے ہوئے بولا۔

"کیا کہیں سے اٹھا کر لائے ہو" دکاندار بڑا چالاک اور ہوشیار تھا اس نے الہ دین کے ننگے پاؤں بھی دیکھ لئے تھے اور صورت دیکھ

کر ہی جان گیا تھا۔ کہ یہ کوئی گاؤں
کا رہنے والا ہے اس لیئے اس نے ایسا
سوال کیا تھا دکاندار کی بات سن کر پہلے
تو الہ دین گھبرا گیا مگر پھر جلدی سنبھل کر بولا
"جی نہیں میں نے اسے کہیں سے اٹھایا
نہیں بلکہ یہ میرے چچا کا ہے انہوں نے
اسے اس لیئے بیچنے کو دیا ہے تاکہ میں نئے
جوتے خرید سکوں" الہ دین نے جواب دیا۔

"اوہ نئے جوتے، نئے جوتے تو کم از کم
بھی بیس پچیس روپے میں آئیں گے اور اس
لوٹے کے صرف پانچ روپے بنتے ہیں دکان والے
نے لوٹا تول کر کہا۔

"صرف پانچ روپے؟" الہ دین نے بڑی حیرانی
سے پوچھا۔

"جی ہاں، کیا دوں؟ یا ابھی بازار کا چکر
لگاؤ گے؟ لیکن اگر دوبارہ میری دکان پر واپس
آئے تو پھر پانچ کی بجائے چار روپے ملیں
گے۔" دکان والے نے اسے ڈراتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلیئے چھ روپے دے دیجیئے" الہ دین کا

دیہاتی پن ایکدم جاگ اٹھا تھا۔

"نہیں پانچ ہی ملیں گے مرضی ہے تو لو
ورنہ راہ لو۔" دکاندار نے کہا۔

"بہت اچھا لائیے پانچ ہی سہی الہ دین نے
ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور پانچ روپے لیکر اس
بازار سے ایک ہوائی چپل لے کر پاؤں میں
پہن لی۔

اب وہ ذرا مطمئن سا ہوگیا تھا مگر دل
ہی دل میں چچا اور چچی کا فکر اب بھی
لگا ہوا تھا۔

دوبارہ اسے پھر روپوں کا خیال آیا اور
پچھتانے لگا کہ جن سے کہہ کر کچھ روپے
کیوں نہ منگوا لیئے ان سے وہ اچھے سے
جوتے لیتا اور آج ہی چچا کو سلام کرکے
اپنے گاؤں چل دیتا اور گاؤں جاکر جن سے
کہہ کر نمبردار کی حویلی کے سامنے اپنے لیئے
ایک بڑا سا محل بنواتا۔ بالکل ویسا ہی محل
جیسا "طلسمی چراغ والے الہ دین نے بنوایا تھا۔
اور پھر وہ جن سے بہت سا روپیہ لے کر

اپنے باپ کے سارے قرضے اتار دیتا۔ پھر ہم لوگ ٹھاٹھ سے اس محل میں رہتے اب تو نمبردار بھی ابّا کو تنگ کرتا رہتا ہے مجال ہے اگر پھر کبھی وہ آنکھ اٹھا کر بھی ہماری طرف دیکھتا وہ سب سے پہلے نمبردار کے پانچ سو روپے ہی دیتا۔ جو اس کے ابّا نے پچھلے سال ہی لئے تھے۔

اور جب نمبردار ایکدم پانچسو روپے ہمارے پاس دیکھتا تو وہ کتنا حیران ہوتا۔ ابھی الدین نے یہیں تک سوچا تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایکدم ہوا میں اڑنے لگا ہو۔

مگر اصل بات کا علم تو اس وقت ہوا جب وہ گندگی ملے پانی میں چھپ کی آواز سے گر کر ڈبکیاں لگانے لگا اب وہ سمجھ کہ وہ کسی کھلے مین ہول میں گر کر گٹر میں جا پڑا ہے۔

گرتے ہوئے ہوائی چپل بھی اتر کر کہیں جا گری تھی بازو اور گھٹنے بھی خاصے زخمی ہوگئے تھے اسے گٹر میں گرتے ہوئے چند لوگ

نے دیکھ لیا تھا اس لئے فوراً ہی بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔ الدین سات آٹھ فٹ نیچے گندے پانی میں کمر تک ڈوبا کھڑا تھا لوگوں نے اسے باہر نکالا۔ قریب ہی نل تھا اس کے نیچے بٹھا کر اسے نہلایا گیا تب کہیں جاکر گندگی اس کے کپڑوں سے اتری اب الدین ایکبار پھر پاؤں سے ننگا ہو گیا تھا۔ اس نے حسرت سے مین ہول کی طرف دیکھا اور جلدی سے ایک گلی میں گھس گیا تاکہ لوگوں کی نظروں سے دور ہوکر شرمندگی کے احساس سے چھٹکارا پا سکے۔

اب گھر بھی نزدیک تھا اس لئے وہ گلیوں گلیوں سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔

"لعنت ہے مجھ پر بھی جو اتنے بڑے سوراخ کو نہ دیکھ سکا۔ اس نے ایکبار پھر سوچنا شروع کر دیا۔ مگر اب اسے زیادہ سوچنے کا موقعہ نہ مل سکا۔ کیونکہ اسی گلی میں اس کے چچا کا گھر تھا۔ جو موڑ مڑتے ہی نظر آنے لگا تھا۔

چند منٹ بعد ہی وہ گھر کے دروازے پر تھا۔ ڈرتے ڈرتے اور جھجکتے ہوئے اس نے ڈیوڑھی میں قدم رکھ ہی دیا۔

سب سے پہلے اس کے چچا کے لڑکے نے ہی الہ دین کو دیکھا اور وہ اسے دیکھتے ہی کھلکھلا کر ہنس پڑا کیونکہ الہ دین سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا تھا اور پانی کے قطرے اس کے کپڑوں سے ابھی تک ٹپک رہے تھے۔

"کیا باہر بارش ہو رہی ہے" اس نے الہ دین کو مذاق کیا۔

"اور یہ تمہارے جوتے کہاں گئے" اس کے چچا بھی بول اٹھے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

الہ دین نے بتایا کہ وہ راستے میں گر پڑا تھا اس لئے وہ بھیگ گیا ہے۔

"مگر تمہارا حلیہ کیوں بگڑا ہوا ہے اور بازو پر سے قمیض کا رنگ سرخ ہو رہا ہے" چچا نے پوچھا۔

"گرنے سے چوٹ آگئی تھی اس لئے خون بھی نکل پڑا" الہ دین نے جواب دیا۔

"سچ سچ بتاؤ ورنہ ابھی مرغا بنا دوں گا" الہ دین کے چچا نے آنکھیں نکال کر کہا۔

اچانک الہ دین کو خیال آیا کہ اسے اصل بات نہیں بتانا چاہیئے کیونکہ اسے طلسمی چراغ والے الہ دین کی ساری کہانی یاد آگئی تھی کہ کس طرح ایک آدمی نے اس کا چچا بن کر اسے دھوکہ دیا تھا اور بعد میں طلسمی چراغ لے کر بھاگ گیا تھا۔ یہ سب کچھ یاد آتے ہی اس نے ایک بہانہ ڈھونڈ ہی لیا۔

"جلدی سے بتاؤ ورنہ اسی جگہ مرغے بن جاؤ" چچا نے دھمکی دی۔

"میں ذرا سمندر دیکھنے گیا تھا۔ اور پھر میرا دل نہانے کو چاہنے لگا۔ نہا ہی رہا تھا کہ ایک آدمی میرے کپڑے اور جوتے لے کر بھاگ گیا اور پھر وہاں جمع ہونے والے لوگوں میں سے کسی نے یہ کپڑے مجھے دیئے جنہیں پہن کر میں یہاں تک آیا ہوں۔ بس یہ ہی ساری بات ہے" الہ دین نے عمداً جھوٹ بولا۔

"ایں! سمندر میں نہانے گئے تھے۔ یعنی واقعی سمندر میں؟" چچا نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں!" الہ دین نے جواب دیا۔

"کمال ہے ہمیں یہاں رہتے اتنے برس ہو گئے ایکبار بھی سمندر کی طرف نہیں گئے۔ اور ایک تم ہو آتے وہاں چلے گئے ارے میاں اگر کہیں ڈوب جاتے تو پھر کیا ہوتا ہمیں یہاں کیسے معلوم ہوتا" الہ دین کے چچا نے کہا۔

"یہ لڑکا ہے یا تماشہ۔ گھڑی بھر میں ہی فتور ڈال کر رکھ دیا" چچی بھی بول اٹھی۔

"تم چپ رہو جی۔" الہ دین کے چچا نے

اپنی بیوی کو ڈانٹا۔
"میں کیوں چپ رہوں۔ اگر کوئی حرج مرج ہو جاتا تو اس کے ماں باپ میرا ایک بال بھی سر پر نہ چھوڑتے۔ اس لڑکے کا کوئی بندوبست کر لو ہاں!" چچی جھٹ بولی۔

الہ دین کے چچا کچھ دیر تک چپ بیٹھے کچھ سوچتے رہے آخر وہ بولے۔

"دیکھو میاں تمہاری حرکتیں ایسی نہیں کہ ہم تمہیں اپنے پاس رکھ سکیں اس لئے بہتر ہے کہ تم اپنے گھر جاؤ" چچا نے کہا۔

"مگر چچا جی" الہ دین بولنے لگا مگر اس کے چچا نے بات کاٹ دی اور بولے۔

"بس بس، بھلا غضب خدا کا صاحبزادے سمندر پر نہانے گئے تھے اور یہاں یہ حال ہے کہ گھر اپنے نلکے پر بھی عید کے عید ہی نہاتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا۔ اس لئے تم آج ہی چلے جاؤ تو بہتر ہے۔"

"بہت اچھا میں چلا جاتا ہوں" الہ دین نے

دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن تمہارے جوتوں کا کیا بنے گا۔" چچا پریشان ہوتے ہوئے بولا۔ چلو خیر تم بازار سے نئی جوتی لے آؤ۔"

"نئی جوتی کس لئے۔ اپنی پرانی جوتی ہی دے دیں۔" چچی نے فوراً اعتراض کیا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو میاں یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ وہ پلنگ کے نیچے سے بوٹ نکال کر پہن لو۔ اور اللہ کا نام لے کر گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ چچا نے خوش ہو کر کہا۔

"بہت اچھا۔" الہ دین نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا چچا اسے اسٹیشن پر جا کر گاڑی میں بٹھا آیا۔ اور الہ دین خوش خوش گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی چلی تو سب سے پہلے اس نے اپنی جیب سے ایک کاغذ کی پڑیا نکال کر دیکھی اور مطمئن ہو کر اسے پھر جیب میں احتیاط سے رکھ لیا۔ اس کاغذ کی پڑیا میں اس نے جن کا دیا ہوا بال لپیٹ رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر

وہ خیالات میں گم ہوگیا اور یہ سوچ کر جی بہلانے لگا کہ وہ گاؤں جاکر یہ کریگا اور وہ کرے گا۔

اس طرح اسے سفر بھی معلوم نہ ہوا اور جلد ہی اپنے گاؤں کے اسٹیشن پر جا اترا۔ اسٹیشن سے باہر اجاڑ سا علاقہ تھا۔ چونکہ یہ ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا اس لئے زیادہ رونق بھی نہ تھی گاؤں اسٹیشن سے دو میل دور تھا اسٹیشن سے ذرا ہی دور گیا تھا کہ جنگل کا علاقہ شروع ہوگیا۔ الہ دین نے سوچا کہ گھر جاتے ہوئے وہ خالی ہاتھ ہی ہے۔ اس لئے کیوں نہ جن کو بلاکر کچھ چیزیں منگوالے۔

اس نے جیب سے بال والی پڑیا نکالی اور جن کو بلانے کے لئے تیار ہوگیا مگر اب وہ یہ سوچکر فکرمند ہوگیا کہ بال کس طرح گرم کرے۔ یہ بات وہ جن سے بھی پوچھنا بھول گیا تھا۔

کچھ سوچکر اس نے جیب سے ماچس نکالی اور تھوڑا سا گھاس وغیرہ اکٹھا کرکے اسے آگ

لگا دی۔ لیکن اب وہ ڈرا کہ اگر اس نے بال آگ کے قریب بھی کیا تو وہ ضرور جل جائے گا۔ اسطرح جن ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے گا۔

اس کے سوچتے سوچتے ہی گھاس پھوس جل گیا اور خاک باقی رہ گئی۔ اچانک اسے ایک ترکیب سوجھ ہی گئی۔ اس نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو خاک گرم ضرور تھی مگر اس میں آگ بالکل نہیں تھی۔

اللہ کا نام لے کر اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے جن کا دیا ہوا بال اس گرم خاک کے اوپر رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ اس خیال سے ہی کانپنے لگے تھے کہ معلوم نہیں جن اسطرح حاضر ہوگا یا نہیں۔

چند لمحے گذر گئے تو الہ دین مایوس سا ہو گیا۔ مگر عین اسی وقت جب وہ بال اٹھا کر جیب میں رکھنے کو تھا اس کی آس پوری ہوگئی یعنی جن حاضر ہوگیا۔ الہ دین نے دیکھا تو جن کا سر ایک درخت کی چوٹی

کو چھو رہا تھا۔

"حکم میرے آقا" جن کی بھاری آواز اس کے کانوں میں آئی۔ "فرمایئے مجھے کیوں یاد کیا گیا ہے؟"

الہ دین اب پھر بہت خوش نظر آنے لگا تھا۔

"دیکھ میں اپنے گاؤں جا رہا ہوں۔ اس لئے کچھ ایسی چیزیں اور تحفے لاکر دو۔ جسے میں اپنے ماں باپ کی خدمت میں پیش کر سکوں۔" الہ دین نے حکم دیا۔ الہ دین کی بات ختم ہوتے ہی جن غائب ہوگیا الہ دین اسی جگہ کو ذرا صاف کرکے زمین پر بیٹھ گیا اسے خیال آیا کہ شہر یہاں سے دور ہے اس لئے جن ذرا دیر سے ہی آئے گا۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جن اسی وقت اس کے سامنے آ موجود ہوا۔

الہ دین جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جن نے اس کے سامنے ایک چمڑے کا سوٹ کیس اور تین چار مٹھائی کے بڑے بڑے

ڈبے رکھ دیئے۔ الہ دین مٹھائی دیکھکر بہت خوش ہوا اور اسے یہ خیال بھی آیا کہ اپنے خرچ کے لئے کچھ روپے بھی منگوا لے۔

"جن صاحب اب میرے لئے دو تین سو روپے بھی لےکر آؤ" الہ دین نے جن سے کہا

"میرے آقا گستاخی معاف بار بار نہیں آیا جا سکتا۔ اگر روپوں کی ضرورت تھی تو پہلے کیوں نہ کہہ دیا" جن نے فوراً جواب دیا۔

"مگر طلسمی چراغ والا جن تو کبھی انکار نہیں کیا کرتا تھا۔ اور فوراً ہی الہ دین کی بات مان لیتا تھا۔" الہ دین کو جن کا جواب سن کر حیرانی بھی ہوئی اور صدمہ بھی۔

"ہاں یہ بھی آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں میں نے اس سے آگے کبھی کسی کام سے انکار نہیں کیا تھا اور یہی وجہ تھی جو اس الہ دین کی عادتیں خراب ہو گئی تھیں اور میں اب آپ کی عادتیں خراب نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے علاوہ اس بات کو ہزاروں سال بیت گئے اسی لئے وہ الہ دین بادشاہوں اور شہزادیوں کے خواب

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

بھی دیکھنے لگا تھا مگر اب کچھ اور بات ہے کیونکہ بیسویں صدی ہے" جن نے لمبا چوڑا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ بھی بتادو کہ میں تمہیں کب بلایا کروں؟" الٰہ دین نے جن کا لمبا چوڑا لیکچر سن کر پوچھا۔

"مجھے روزانہ نہ بلایا کریں بلکہ دوسرے یا تیسرے دن بلایا کریں" جن نے جواب دیا۔

"بہت اچھا اب تم جاؤ پرسوں پھر تمہیں بلاؤں گا۔" الٰہ دین نے مانتے ہوئے کہا۔

"شکریہ میرے آقا" جن نے کہا اور اسی وقت غائب ہوگیا۔

الٰہ دین نے مٹھائی کے ڈبے ایک ہاتھ میں اور سوٹ کیس دوسرے ہاتھ میں لٹکایا اور بڑی شان اور اکڑ کے ساتھ گاؤں کی طرف چلنے لگا۔ وہ اس وقت بہت خوش تھا اور یہ سوچکر وہ اور بھی خوش ہو رہا تھا کہ گاؤں والے اسے دیکھ کر کتنے حیران ہوں گے کیونکہ اس وقت سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے الٰہ دین

خود کو ایک بالکل ہی نیا آدمی محسوس کر رہا تھا یہ خیال بھی اسے خوش کر رہا تھا کہ اس کے ماں باپ اسے اچانک دیکھکر بہت خوش ہوں گے۔

اب اس کے گاؤں کے مکان نظر آنے لگے تھے۔ نمبردار کی حویلی تو دور سے ہی نظر آنے لگی تھی اور اس وقت بھی وہ سب مکانوں سے بڑی معلوم ہو رہی تھی۔ الٰہ دین گاؤں میں داخل ہوا تھا اس کی سوچیں ختم ہو گئیں سب سے پہلے فضلو تیلی کے لڑکے نے ہی اسے دیکھا اور وہ شور مچاتا ہوا الٰہ دین کی طرف بھاگا۔ الٰہ دین بھی اسے دیکھ کر مسکرایا چند ہی منٹ بعد الٰہ دین اپنے گھر کے دروازے پہ تھا دروازہ کھلا ہوا تھا اور سامنے ہی اس کی ماں بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔

"ماں" الٰہ دین نے زور سے اپنی ماں کو آواز دی۔ اس کی ماں نے دروازے کی طرف دیکھا اور الٰہ دین کو کھڑے دیکھکر واقعی حیران

رہ گئی۔

"ماں اٹھ کر آؤ اور میرے ہاتھ سے مٹھائی کے ڈبے تو لے لو" الہ دین نے کہا۔

اس کی ماں جلدی سے اٹھی اور آتے ہی الہ دین کو پیار کرنے لگی۔

"ماں پہلے یہ بکسا تو لو" الہ دین نے سوٹ کیس کو بکسا کہتے ہوتے اپنی ماں کی طرف بڑھایا اس کی ماں نے فوراً سوٹ کیس لے لیا اور الہ دین مٹھائی کے ڈبے پکڑے اندر داخل ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہے" اسکی ماں نے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

یہ تو الہ دین کو بھی نہ پتہ تھا کہ سوٹ کیس میں کیا ہے کیونکہ وہ جن سے لے کر بغیر پوچھے گھر چلا آیا تھا۔

"بیٹے اسے کھولو تو سہی کیا یہ تمہارے چچا نے دیا ہے؟" ماں نے کہا۔

"چچا نے! ماں چچا نے تو ایسا بکسا کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوگا" الہ دین نے

اکڑ کر جواب دیا۔

"تو پھر یہ مٹھائی ضرور تمہارے چچا نے دی ہوگی؟" ماں نے پوچھا۔

"چچا چچا چچا، کیا چچا ہی مٹھائی دے سکتا ہے ارے میری بھولی ماں یہ میں لایا ہوں" الہ دین جھلا کر بولا۔

"اچھا مگر تم کہاں سے لے آئے" ماں نے پھر سوال کیا۔

"یہ تم نہیں سمجھ سکوگی" الہ دین مسکرا کر بولا مگر ابا کہاں ہیں۔

"وہ کھیت پہ گئے ہیں" اسکی ماں نے جواب دیا۔

"اچھا اب ابا کو بھی کھیت پہ جانے کی ضرورت نہ رہے گی" الہ دین نے ہنس کر کہا۔

یہ کہہ کر الہ دین سوٹ کیس کھولنے لگا مگر سوٹ کیس اس سے نہ کھلا۔ بہت زور لگایا۔ کئی جتن کیے مگر وہ نہ کھلنا تھا نہ کھلا۔ آخر تنگ آکر اس نے قریب پڑی ہوئی اینٹ اٹھا کر زور زور سے تالے پہ مارنی شروع کردی

نازک سا تالہ چند ہی زبردست چوٹوں سے ٹوٹ گیا سوٹ کیس کھلا تو وہ بہت سے اچھے اچھے کپڑوں سے بھرا ہوا تھا اسکی ماں اور الہ دین رنگ برنگ کے کپڑے دیکھکر بہت خوش ہوئے اور مختلف کپڑے اٹھا اٹھا کر اپنے جسموں کے ساتھ لگا لگا کر دیکھنے لگے۔

انہوں نے ساری زندگی میں ایسے خوبصورت کپڑے نہیں دیکھے تھے اس لئے انکا اس طرح خوشی سے پھولے نہ سمانا کوئی بڑی بات نہ تھی

الہ دین کی ماں نے ایک مٹھائی کا ڈبہ بھی کھول لیا۔ اور دونوں ماں بیٹے بیٹھ کر مٹھائی کھانے لگے ان دونوں نے اتنی مٹھائی کھائی اتنی کھائی جتنا ساری زندگی میں گڑ بھی نہ کھایا تھا الہ دین کی ماں بیٹے پر نہال ہو رہی تھی اور اس کی نظریں بھی الہ دین پر ہی لگی ہوئی تھیں۔

اسی وقت الہ دین کا باپ بھی آگیا۔ اس نے ہاتھ میں ایک کلہاڑا پکڑا ہوا تھا اس نے الہ دین کو دیکھا تو وہ بھی بہت حیران ہوا

اسے یہ امید نہیں تھی کہ الہ دین اتنی جلدی واپس آ جائے گا۔ اس نے بھی الہ دین کو گلے سے لگایا۔ اور ان دونوں کے ساتھ ملکر وہ بھی مٹھائی کھانے لگا۔

کپڑے اور سوٹ کیس دیکھکر وہ بھی بہت حیران ہوا اور یہ ہی سمجھا کہ یہ چیزیں الہ دین کے چچا نے دی ہوں گی۔ مگر جب اسے اصل بات معلوم ہوئی تو وہ بھی بہت خوش ہوا۔

تھوڑی دیر میں ہی سارے گاؤں میں مشہور ہو گیا کہ الہ دین کراچی سے آگیا ہے گاؤں والوں کے لئے کراچی بڑی چیز تھی اس لئے الہ دین کے یار دوست اور گاؤں والے الہ دین سے ملنے کے لئے آنے لگے۔

الہ دین نے سب ہی کو مٹھائی دی اور بڑھ چڑھ کر کراچی کی باتیں کرتا رہا۔ سچ بھی اور گپیں بھی ماریں۔ سب گاؤں والے بیٹھے حیرت سے الہ دین کی شکل دیکھے جا رہے تھے۔

الہ دین کراچی سے کیا آیا اپنے آپ کو

گاؤں والوں سے علیحدہ ہی سمجھنے لگا۔ رات
گئے تک ان کے گھر اسی طرح رونق لگی
رہی۔ آخر کافی دیر بعد سب لوگ چلے گئے
اور وہ بھی تینوں باتیں کرتے کرتے سو گئے

صبح الہ دین گھر سے نکلا تو ایک نیا الہ دین
معلوم ہوتا تھا۔ نئے کپڑوں نے اس کی شخصیت
ہی بدل کر رکھدی تھی لیکن پاؤں میں آج
بھی چچا کے دیے ہوئے پرانے جوتے ہی تھے
گاؤں کے لوگ اسے دیکھکر حیران ہو رہے تھے
اور اسے دیکھ کر کئی لوگ بھی کراچی جانے
کے لئے تیار ہونے لگے۔

سارا دن الہ دین اکڑ اکڑ کر گاؤں کی
گلیوں میں پھرتا رہا۔ اور کئی بار نمبردار کی حویلی
کے سامنے والی خالی جگہ دیکھنے گیا اسی جگہ

وہ اپنے لئے ایک محل بنوانا چاہتا تھا اب اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ جلدی سے محل بنوا لے۔ جب محل بن جائے تو وہ بھی طلسمی چراغ والے الہ دین کی طرح کسی شہزادی سے شادی کریگا۔

وہ جن کے یہ کہنے پر بھی حیران تھا کہ اسے روز اور بار بار نہ بلایا جائے مگر پھر یہ سوچ کر رہ گیا کہ شاید زمانے کے ساتھ جن بھی بدل گئے ہوں۔

اس روز اسکا باپ بھی کام پر نہ گیا اور دونوں میاں بیوی الہ دین کی باتیں ہی کرتے رہے۔

دوسرے دن الہ دین خوش خوش بستر سے اٹھا اور کچھ کھائے پیئے بغیر ہی گاؤں سے باہر کی طرف جانے لگا۔ کیونکہ وہ باہر جاکر ہی جن کو بلانا چاہتا تھا۔

درختوں کے نیچے جاکر اس نے جن کا بال گرم کیا۔ جن پلک جھپکتے ہی حاضر ہو گیا "حکم میرے آقا" جن سینے پر ہاتھ رکھ

ہوئے جھکا۔

"جن صاحب نمبردار کی حویلی کے سامنے میرے لئے ایک شاندار محل بنادو" الہ دین نے کہا۔

"محل؟" جن ذرا حیرانی سے بولا۔ "وہ آپ کیا کریں گے؟"

"میں اس محل میں رہا کرونگا" الہ دین نے جواب دیا۔

"مگر آج کل نہ تو اینٹیں ملتی ہیں اور نہ ہی سیمنٹ ملتا ہے محل پر اتنی اینٹیں لگیں گی کہ جس بھٹے سے بھی اینٹیں لائی جائیں گی اس بھٹے والے کا تو بھٹہ ہی بیٹھ جائیگا" جن نے وجوہات بتلاتے ہوئے کہا۔

"پھر" الہ دین حیرانی سے بولا "تم نے پہلے بھی تو الہ دین کے لئے محل بنایا تھا"

"ٹھیک ہے مگر وہ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے اب زمانہ بدل چکا ہے اس کے علاوہ ہزاروں سال قید میں گزار کر میں بھی کمزور اور بوڑھا ہوگیا ہوں اگر محل بن گیا تو پھر کہوگے کہ کسی شہزادی کا رشتہ بھی لاؤ" جن

نے اعتراض کیا۔

"ہاں میں بھی کسی شہزادی سے ہی شادی کرونگا۔ الہ دین بولا۔

"مگر میرے آقا اب بادشاہوں اور شہزادیوں کا کیا ذکر کرو گے۔ اب تو دنیا میں ہر طرف جمہوریتیں قائم ہیں اس لئے آپکے لئے شہزادی کہاں سے آئے گی۔" جن نے دلیل پیش کی۔

"ہیں؟ تو کیا اب تم اس سے بھی انکاری ہو؟" الہ دین نے تعجب سے پوچھا۔

"انکاری تو نہیں میری یہ مجال ہی نہیں جو انکار کر سکوں" جن جھک کر بولا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں کیونکہ میں اب ایک بڑا آدمی بننا چاہتا ہوں۔" الہ دین نے مشورہ مانگا۔

"اوہ بڑا آدمی بننا ہے تو کیا ہوا۔ آپ ضرور ایک بڑے آدمی بنیں گے میں ابھی آپ کو اسکی ترکیب بتاتا ہوں" جن نے کہا۔

"ترکیب" الہ دین پھر خوش ہوگیا۔

"ہاں میری ترکیب پر عمل کرنے سے آپ ایک

بہت بڑے آدمی بن جائیں گے" جن نے کہا

"تو پھر جلدی سے بتاؤنا!" الہ دین نے بے صبری سے پوچھا۔

"میرے آقا اگر آپ بڑے آدمی بننا چاہتے ہیں تو آپ سماجی کارکن بن جائیں یا پھر سیاست میں حصہ لینے لگیں۔ آپ دیکھتے ہی دیکھتے بڑے آدمی بن جائیں گے۔ جن نے الہ دین کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایں کیا کہا۔ کیا بن جاؤں میں تو انسان ہوں پھر بھلا وہ چیز کس طرح بنونگا۔ الہ دین حیرت سے بولا۔

"سماجی کارکن اور سیاسی آدمی بھی انسان ہوتے ہیں" جن نے بتلایا۔

"اچھا پھر میں کیسے بنونگا؟" الہ دین نے پوچھا۔

"اس گاؤں کو چھوڑ کر کسی شہر میں چلے جائیے لوگوں سے ملیں جلیں۔ غریبوں کمزوروں اور ضرورتمندوں کے کام آئیں اچھے اچھے کام کریں اس طرح کچھ ہی دنوں میں لوگ آپکو جاننے لگیں گے اور آپ کی عزت کریں گے۔" جن نے

ترکیب بتلائی۔

"اچھا پھر" الہ دین حیرت سے سب کچھ سنتا رہا

"کچھ عرصہ تک اسی طرح کریں آخر سارے شہر کے لوگ آپ کو ایک اچھا آدمی سمجھنے لگیں گے پھر آپ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں پھر جلسے ہوں گے۔ آپ بھی تقریر کریں اس سے آپ سارے ملک میں مشہور ہو جائیں گے۔ پھر حکومت کو آپ کی تقریر اچھی لگے گی تو پھر سمجھئے کام بن گیا"

"اچھا کیا کام بن گیا؟" الہ دین نے حیرت سے سوال کیا۔

"پھر حکومت آپکو اپنا وزیر بنالے گی۔ وزیر بنتے ہی آپ کو کوٹھی بنگلہ اور کار بھی مل جائے گی۔ اس طرح آپ بڑے آدمی بن جائیں گے جن نے کہا۔

"کار.....یعنی موٹر ملے گی" الہ دین نے خوش ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں نئی موٹر ملے گی۔" جن نے جواب دیا۔

"واہ واہ بہت خوب' یہ تو واقعی اچھی ترکیب ہے۔ میں کل ہی شہر کو چلدونگا۔ مگر میرے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں جاؤ میرے لئے کچھ روپے لے کر فوراً آؤ" الہ دین نے واقعی وزیروں کی طرح حکم دیا۔

الہ دین کے حکم دیتے ہی جن چلا گیا الہ دین اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو مروڑنے لگا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو ابھی سے وزیر سمجھنے لگا تھا اسی وقت جن بھی آگیا اس نے نوٹوں کے بہت سے بنڈل اٹھا رکھے تھے الہ دین نے اس سے پہلے کبھی اتنے نوٹ نہیں دیکھے تھے۔ اس لئے وہ اتنی مقدار میں نوٹوں کے بنڈل دیکھکر حیران ہی رہ گیا اور جلدی جلدی بنڈل لے کر اپنی جیبوں میں ٹھونسنے لگا اس نے جن کو بھی جانے کی اجازت دیدی۔

نوٹوں سے اسکی ساری جیبیں بھر گئیں مگر اب بھی بہت سے بنڈل زمین پر پڑے تھے۔ الہ دین نے ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور سب بنڈل اس گڑھے میں ڈال کر اوپر سے

مٹی ڈال دی۔ اور دو اینٹیں اس جگہ نشانی
کے طور پر رکھدیں تاکہ وہ جگہ بھول نہ جائے
اب اسکا ارادہ تھا کہ شام کو گھر سے تھیلا
لاکر سب بنڈل لے جائیگا۔ اسکی ساری جیبیں
نوٹوں سے بھری ہوئی تھیں اس لئے وہ جلدی
جلدی قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف چلدیا۔

الہ دین کے گھر والوں کے حالات ایکدم پلٹ
گئے تھے اس لئے گاؤں کے بہت سے لوگ
کراچی جا چکے تھے تاکہ وہ بھی الہ دین کی طرح
بہت سے روپے لے کر آئیں۔

گاؤں میں یہ بھی مشہور ہوگیا کہ الہ دین کے
گھر والوں کو کہیں سے خزانہ مل گیا ہے کیونکہ
الہ دین کے باپ نے اپنے سارے قرضے اتار دیے
تھے اور نئے بیل لے کر کھیتوں میں کام کرنے
لگا تھا۔

اب الہ دین کا شہر جانے کا سبب بن گیا
تھا کیونکہ وہ جلدی سے بڑا آدمی بننا چاہتا
تھا قریبی شہر دس بارہ میل ہی دور تھا۔ اس
لئے اس نے ماں باپ سے جانے کی اجازت

لے کر وہاں جانے کا پکا ارادہ کرلیا۔

جن سے لائے ہوئے روپے اس نے اپنے
گھر میں زمین کھود کر دبائے تھے۔ اور صرف
خرچ کرنے کے لئے کچھ روپے رکھ لئے تھے۔

اس کی ماں بھی اتنے روپے دیکھکر بہت
حیران ہوئی تھی مگر الہ دین نے اسے سارے روپے
نہیں دکھائے تھے۔ اس نے بہت کہاکہ اسکا باپ
اب کام پر نہ جایا کرے مگر اسکا باپ نہ مانا
اور اس کی ماں نے بھی سوت کاتنا بند نہ کیا

دوسرے دن وہ صبح ہی لاری میں بیٹھ کر شہر پہنچ گیا اس سے پہلے بھی وہ دو تین بار اپنے ابا کے ساتھ اس شہر میں آ چکا تھا الہ دین بازار میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کام کرے جس سے وہ جلد ہی مشہور ہو جائے اور شہر کے لوگ بھی اسے جاننے لگیں۔ کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس نے ایک طرف بہت سے لوگ جمع دیکھے وہ بھی ادھر ہی چلا تاکہ دیکھے کہ وہ لوگ کیوں جمع ہیں قریب

گیا تو معلوم ہوا کہ ایک مداری تماشہ دکھا رہا ہے الہ دین بھی سب کچھ بھول کر تماشہ دیکھنے کے لئے رک گیا اور اپنے لئے جگہ بناتا ہوا آگے کی لائن میں جا بیٹھا اب وہ اچھی طرح سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔

مداری کے آگے دو تین ٹوکریاں پڑی تھیں اور وہ بین بجا رہا تھا کچھ ہی فاصلے پر ایک دس بارہ سال کا بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ الہ دین فوراً سمجھ گیا کہ وہ بچہ جمہورا ہو گا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی کئی بار ایسے تماشے دیکھ چکا تھا۔

مداری نے بین بجاتے بجاتے ایک ٹوکری کا ڈھکنا کھولدیا فوراً ہی ایک سانپ نے ٹوکری سے گردن باہر نکال دی۔ سانپ کالا سیاہ تھا۔ الہ دین اسے دور سے دیکھ کر ہی ڈر گیا مداری نے ایک ہاتھ سے سانپ کو ہلکی سی ضرب لگائی تو سانپ فوراً ایک بل کھا کر اسے ڈسنے کے لئے لپکا۔ الہ دین کا دل یہ دیکھتے ہی گھبرا گیا مگر مداری نے سانپ کا وار خالی گیا اور

ٹوکری کو پھر بند کر دیا۔

"اب میں آپ کو نیا تماشہ دکھاتا ہوں۔" مداری بولا۔ آپ نے اس سے پہلے تماشوں میں ریچھ اور بچے جمہورے کی لڑائی تو کئی بار دیکھی ہو گی مگر میں آپکو سانپ اور بچہ جمہورے کی لڑائی دکھاؤنگا۔"

الہ دین یہ سنکر بہت پریشان ہوا کہ یہ بچہ سانپ کا کس طرح مقابلہ کرے گا۔

مداری کی بات ختم ہوتے ہی لوگوں نے تالیاں بجانا شروع کر دیا تھا اس پر الہ دین نے حیرانی سے لوگوں کی طرف دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ بھی تالی بجانے کے لئے خودبخود حرکت میں آگئے اور وہ بھی تالیاں بجانے لگا جب الہ دین نے تالی بجائی دوسرے لوگ اس وقت تالی بجا بھی چکے تھے اب صرف اکیلا الہ دین ہی تالی بجا رہا تھا دوسرے گردنیں نکال کر الہ دین کی طرف دیکھنے لگے۔

مداری نے بھی اس کی طرف دیکھا پھر الہ دین نے تالی بجانا بند کی مگر اتنے میں ہی لوگ

اسکی طرف دیکھ دیکھکر مسکرانے لگے تھے۔

مداری اپنی ٹوکریوں کی طرف بڑھا۔ ان سب ٹوکریوں میں سانپ تھے ایک ٹوکری لے کر مداری بچے جمہورے کی طرف بڑھا۔ الہ دین کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

مداری نے ٹوکری کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو الہ دین فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"ٹھہرو" الہ دین بلند آواز سے بولا۔ "یہ کیا کرنے لگے ہو۔"

مداری نے گردن گھما کر اسکی طرف دیکھا اور بولا "کہ تماشا کر رہا ہوں۔ اور اب یہ لڑکا آپ کے سامنے ہی اس ٹوکری والے سانپ سے لڑیگا۔"

"مگر میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دونگا" الہ دین نے کہا۔

"ارے وہ کیوں" مداری حیرت سے بولا اور دوسرے لوگ بھی حیران ہوکر الہ دین کی طرف دیکھنے لگے۔

"بس کہہ جو دیا تم ایسا نہیں کرو گے۔

اس طرح تو اس بچے کو خطرہ ہے" الہ دین نے فلسفہ جھاڑا۔

"ہم یہ تماشا روز ہی کرتے ہیں اگر ایسا نہ کریں تو پیٹ کو کیسے بھریں۔" مداری بولا۔

لیکن اگر یہ سانپ ہماری طرف آگیا تو؟" الہ دین نے اعتراض کیا۔

مگر ایسا بالکل نہیں ہوگا آپ کوئی فکر نہ کریں"۔ مداری نے کہا۔

"لیکن مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں....؟" الہ دین بولا۔

"کیا تم ہم سب کے ٹھیکیدار ہو۔" ایک آدمی الہ دین کی بات کاٹ کر بولا۔

"پاگل معلوم ہوتا ہے" ایک اور آواز آئی

"اسے باہر نکالو۔ خواہ مخواہ مزہ کرکرا کر دیا" ایک اور آدمی بولا۔

الہ دین حیرت سے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو سانپ سے بھی نہیں ڈرتے۔ الٹا مجھے ہی پاگل کہہ رہے ہیں۔

"نکالو نکالو اسے" ایکدم بہت سے آدمی بولنے لگے۔ اس پہ دو تین آدمیوں نے فوراً اٹھ کر الہ دین کو پکڑ لیا۔ اور مجمع سے باہر کھینچنے لگے

"ارے ارے کیا کرتے ہو" الہ دین نے بھی شور مچانا شروع کر دیا۔

"تم باہر جاؤ کیونکہ تمہارا دل کمزور معلوم ہوتا ہے" ایک آدمی نے اسکا بازو پکڑ کر کہا سب لوگ مداری کا تماشا بھول کر اس نئے تماشے کو دیکھنے لگے۔ الہ دین اپنے آپکو چھڑا رہا تھا۔ لیکن لوگ اسے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچ رہے تھے الہ دین انٹ شنٹ بکنے لگا اور اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے اپنی ٹانگیں چلانے لگا۔ اس پر دو آدمیوں نے فوراً آگے بڑھکر اس کی ٹانگیں بھی پکڑ لیں۔

"پاگل اوئے پاگل اوئے" دو چار بچے بھی بول اٹھے۔ اب کیا تھا ہر طرف شور مچ گیا چھوٹے بچے تماشا چھوڑ کر تالیاں بجاتے ہوئے پاگل پاگل کرتے ہوئے الہ دین کے پیچھے چلے۔

ہجوم سے باہر لاکر لوگوں نے الہ دین کو زمین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

پر پٹک دیا۔ الہ دین حیران پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ مداری کے تماشے میں جتنے بھی بچے تھے۔ وہ سب اس کے اردگرد کھڑے تالیاں بجا بجا کر قہقہے لگا رہے تھے۔

"پاگل اوئے پاگل اوئے" دو تین بچے آواز لگا کر بولے تو الہ دین کا دماغ کچھ گرم ہوگیا اور وہ زمین سے اٹھتے ہی بچوں کی طرف لپکا۔ بچے ڈر کر اِدھر اُدھر بھاگے اور دور جاکر پھر اسی لفظ کی گردان کرنے لگے۔

لعنت ہے ان لوگوں پر بھی مجھے کیا سانپ ڈسے یا نہ ڈسے میں کیوں اپنی مٹی پلید کرواؤں الہ دین نے سوچا اور تماشے کا خیال چھوڑ کر بازار کی طرف بڑھنے لگا۔

اس کے آگے بڑھتے ہی بچے آگے بڑھے اور سب نے مل کر ایکبار پھر پاگل پاگل کی آواز لگائی۔ الہ دین نے مڑ کر بچوں کی طرف دیکھا لیکن پھر بازار کی طرف چلتا گیا۔ وہ ان بچوں کو بھی کچھ کہنا نہ چاہتا تھا مگر بچے تھے کہ باز ہی نہ آتے تھے ان کے ہاتھ تو

گویا ایک نیا تماشہ لگ گیا تھا پھر بھلا وہ کیوں پیچھے ہٹتے۔ اسی وقت اسے پھر پیچھے سے بچوں کے نعرہ مارنے کی آواز سنائی دی۔ عجیب مصیبت گلے لگا لی۔ الہ دین نے سوچا کہ یہ میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑیں گے اور اگر کسی کے ایک آدھ ہاتھ مار بھی دیا تو ممکن ہے بازار میں جانے والے لوگ بھی اسے پاگل سمجھنے لگیں۔ اب ان سے پیچھا چھڑانے کی ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ بھاگ کر ان بچوں سے دور جایا جائے۔

یہ خیال آتے ہی الہ دین نے ایکدم بازار میں دوڑ لگا دی۔ بچے کچھ دور تک تو ان کے پیچھے گئے مگر پھر الہ دین دم بھر میں ہی ان کی نظروں سے غائب ہوگیا اس طرح الہ دین نے ان شیطان بچوں سے جان چھڑائی الہ دین بہت دور آگیا لیکن پھر بھی بھاگتا ہی رہا۔ بازار میں چلنے والے لوگ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے عین اسی وقت کسی نے پیچھے سے آواز لگا دی۔ پکڑنا جانے نہ

پائے۔ دوسرے لوگوں نے یہ آواز سنی تو سمجھے
کہ الہ دین کو پکڑنا ہے۔ شاید وہ کسی کی کوئی
چیز اٹھا کر بھاگا ہے۔ اس لئے چند دوسرے
لوگ بھی پکڑو پکڑو کہنے لگے۔

دو چار آدمی بھاگتے ہوئے الہ دین کی طرف
بڑھے اور سب نے مل کر الہ دین کو پکڑ لیا
"کیا بات ہے؟" الہ دین رکتے ہوئے بولا اتنی
دور تک بھاگنے سے اس کا سانس بھی تیز
چلنے لگا تھا اب وہ اس مصیبت پر اور
پریشان ہو گیا۔

"کیا کہیں چوری کرکے آئے ہو جو بھاگے
جا رہے ہو؟" ایک نے پوچھا۔

"ضرور یہی بات ہوگی" دوسرا آدمی بولا۔

"جی نہیں میں تو کچھ بچوں سے پیچھا چھڑا
کے لئے بھاگ رہا تھا" الہ دین نے جلدی سے
جواب دیا۔

"بچے کیسے بچے، کس کے بچے تم ضرور کوئی
اٹھائی گیر ہو۔ چلو تمہیں پولیس چوکی لے کر چلتے
ہیں" ایک اور آدمی نے کہا۔

الہ دین نے پولیس کا نام سنا تو گھبرا گیا
اور لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا۔
کہ وہ چور نہیں ہے اور لوگ اسے غلط سمجھنے
لگے ہیں۔

مگر لوگ نہ مانے اور اسے کھینچنے لگے۔

"چلو چھوڑو یار کیوں غریب کو مار ڈلواؤ گے۔"
کسی نے کہا الہ دین نے جھٹ مڑ کر دیکھا کہ
یہ کون اسکی سفارش کرنے لگا ہے۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے مار بھی پڑے گی
اور دو چار روپے بھی ہاتھ سے دینے پڑیں گے
اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے یہاں خود ہی
دو چار لگادو تاکہ آئندہ کے لئے اسے نصیحت
ہو جائے" ایک دوسرے آدمی نے بھی الہ دین
کی سفارش کر دی۔ اس پر الہ دین کی پٹائی
شروع ہو گی۔ الہ دین بہترا بچاؤ کرتا رہا مگر
پانچ دس آدمیوں کے آگے اس کی بھلا کیا
پیش جاتی دم بھر میں وہ اسے پیٹ پاٹ
کر چلتے بنے۔

الہ دین کو کافی مار پڑی تھی اسکے علاوہ بازار

میں چلنے والے لوگ بھی اسے پٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے وہ شرمندگی سے بچنے کے لئے فوراً ایک گلی میں گھس گیا۔

واہ یہ اچھی رہی۔ جن صاحب نے اچھا مشورہ دیا تھا کہ پہلے ہی دن پٹائی ہو گئی بس پسلیاں ٹوٹنے کی کسر ہی رہ گئی تھی۔ الہ دین نے دل میں سوچا اب وہ جلد از جلد گاؤں واپس جانا چاہتا تھا تاکہ جاکر کچھ دیر آرام کر سکے۔ آج کے لئے اتنا ہی کام کافی ہے اس نے سوچا اور لاریوں کے اڈے کی طرف چلنے لگا۔

آج جن کو بلانے کی باری نہ تھی ورنہ الہ دین کا دل تو بہت چاہتا تھا کہ اسے بلاکر پوچھے کہ یہ کیا مشورہ دیا جو سارا دن ہی مار کھاتے کھاتے گذر گیا۔

وہ شام سے بہت پہلے گھر لوٹ آیا تھا اور آتے ہی لیٹ گیا سارا جسم کسی پکے ہوئے پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا بس اتنی کسر ہی رہ گئی تھی جو کوئی پسلی یا ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔

ماں نے پوچھا کہ بیٹے خیر تو ہے مگر بیٹے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموشی سے لیٹ رہا۔ آج کے سارے واقعات اسے ایک ایک کرکے یاد آرہے تھے اسے شہر کے لوگوں پر بہت غصہ تھا مگر کیا کرتا اس کا بس نہیں چلتا تھا ورنہ ایک ایک سے بدلہ لے کر چھوڑتا۔

اسکا دل نہیں چاہتا کہ اب دوبارہ شہر کا رخ بھی کرے۔ مگر پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ ایکدم اور ایک ہی دن میں دل نہیں چھوڑنا چاہیئے ممکن ہے اس میں میرا بھی بھلا ہو۔ کیونکہ جن نے اسے خواہ مخواہ تو ایسا مشورہ نہ دیا ہوگا اسے معلوم تھا کہ اچھے کاموں میں پہلے پہلے مشکلیں اور مصیبتیں آیا ہی کرتی ہیں۔ اس لئے اسے ابھی دوچار دن شہر ضرور جانا چاہیئے اس فیصلہ پر پہنچ کر وہ کچھ مطمئن سا ہو گیا اور اسی عالم میں وہ سوچتے سوچتے ہی سوگیا۔

دوسرے دن ہوش آیا تو اس کی ماں اسے جگا رہی تھی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا اس لئے الہ دین ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا ہاتھ منہ

دھویا اور کھانا کھاتے ہی پھر شہر کی طرف چل دیا۔

لاری سے اتر کر اس نے کل والے بازار کا رخ تک نہ کیا۔ اور ایک لمبا چکر لگا کر ایک دوسرے بازار میں پہنچ گیا کل والے بازار میں وہ اس ڈر سے نہ گیا تھا کہ آج بھی وہ مداری تماشا دکھا رہا ہوگا کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ وہ روز ہی یہ تماشا دکھاتا ہے۔

بازار کی رونق اپنے شباب پر تھی اور وہ سوچتا جا رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ بازار لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول اِدھر اُدھر آ جا رہے تھے۔ اور کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔

"مجھے کوئی اللہ کا بندہ جو مجھے سڑک پار کروا دے"۔ الہ دین کے کانوں میں کسی کی آواز آئی اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔ الہ دین نے دیکھا تو ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں لاٹھی لئے سڑک کی دوسری طرف کھڑا آواز لگا رہا تھا۔

اور بار بار اس کی زبان سے یہی نکل رہا تھا کہ کوئی اسے سڑک پار کروا دے سڑک پر پیدل چلنے والوں، تانگوں، کاروں اور سائیکلوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ ایسے میں اچھے بھلے آدمی کا سڑک پار کرنا بھی کچھ معنی رکھتا تھا مگر اس بوڑھے آدمی کی طرف کوئی بھی توجہ نہ دے رہا تھا۔ معلوم نہیں بیچارہ کتنی دیر سے وہاں کھڑا آوازیں لگا رہا تھا۔

الہ دین جھٹ سڑک کی دوسری طرف چلا گیا اور بوڑھے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر بولا آؤ بابا میں تمہیں سڑک پار کروا دیتا ہوں یہ کہہ کر الہ دین بوڑھے کو ساتھ لے کر بچتا بچاتا دوسری طرف پہنچ گیا۔

"لو بابا اب بتاؤ کہاں جاؤ گے؟" الہ دین نے پوچھا۔

"بس بیٹا اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اور کسی کا محتاج نہ کرے" بوڑھے آدمی نے الہ دین کو دعائیں دیتے ہوئے کہا۔ ——— اس نے الہ دین کو اور بھی بہت سی دعائیں دیں۔ الہ دین بہت

خوش ہوا۔ اور اس نے اپنی جیب سے کچھ روپے نکال کر بوڑھے آدمی کے ہاتھ میں تھما دیے۔

الہ دین وہیں کھڑا کافی دیر تک بوڑھے کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور پھر وہ بھی آگے بڑھ گیا اسے یہ کام کرکے بہت خوشی ہوئی تھی۔ اور یہ تھا بھی تو بہت اچھا کام پھر بھلا اسے خوشی کیوں نہ ہوتی۔

اب دوپہر ہو چلی تھی اس لئے اسے بھوک بھی لگ گئی اس کی جیب میں کافی روپے تھے اس لئے وہ ایک ہوٹل میں گھس گیا اور خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ہوٹل سے نکل کر پھر بازار میں آگیا۔

سکولوں میں بھی چھٹی ہو چکی تھی سکول کے بچے بستے گلوں میں ڈالے اپنے گھروں کو جا رہے تھے اور اب بازار میں پہلے سے بھی زیادہ رش ہو گیا تھا۔ الہ دین سے چند ہی قدم آگے دو بچے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے الہ دین نے فوراً آگے بڑھ کر چھڑایا اور دونوں بچوں کو ایک

ایک روپیہ دیا اور کہا کہ اچھے بچے لڑا نہیں
کرتے۔ روپیہ روپیہ لے کر بچے بہت خوش ہوئے
اور مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

ذرا اور آگے گیا تو ایک بارات آ رہی تھی
دولہا گھوڑی پر سوار آگے آگے تھا اور اسکے
پیچھے چار کہار ایک ڈولی اٹھائے جا رہے تھے
باجے بج رہے تھے اور لوگ خوش خوش ساتھ
جا رہے تھے۔ الہ دین نے اس سے پہلے اتنی
بڑی اور اچھی بارات نہیں دیکھی تھی۔ باجہ بجانے
والوں کی ایک پوری فوج تھی الہ دین بھی کچھ
دور تک برات کیساتھ ساتھ چلتا رہا۔ آخر ایک
موڑ پر جاکر وہ دوسری طرف مڑ گیا۔

اسے شہر میں پھرتے پھرتے شام ہوگئی تھی
سورج غروب ہوا تو وہ بھی گاؤں واپس جانے
کے ارادے سے لاریوں کے اڈے کی طرف چلا
راستے میں اس نے اپنے ماں اور باپ کیلئے
کچھ چیزیں خریدیں اور کپڑے میں باندھ لیں۔

ابھی الہ دین نے آدھا راستہ ہی طے کیا تو
کہ اچانک وہ چلتا چلتا رک گیا۔ سامنے سے بہت

سے لوگ آ رہے تھے ان کے آگے آگے
چار آدمیوں نے ایک ڈولی اٹھا رکھی تھی الہ دین
یہ دیکھکر بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسی بارات ہے
ڈولی کے ساتھ دولہا بھی نہیں اور نہ ہی بینڈ
باجہ ہے۔

دولہا کی بجائے سب سے آگے آگے ایک آدمی
سر پر ایک گیس اٹھائے چل رہا تھا جس کی
روشنی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

دراصل یہ ایک جنازہ تھا اوپر سے ڈھکی ہوئی
چارپائی کو وہ ڈولی ہی سمجھا تھا۔ اسے معلوم
نہیں تھا کہ ایسی چارپائیوں پر بھی میت کو لے
جایا جاتا ہے اس لئے وہ اس جنازے کو
برات ہی سمجھا تھا۔

اتنے میں جنازہ اس کے پاس سے گذر گیا
لوگوں کا اس طرح خاموشی سے چلنا بھی اس
کے لئے حیرت ہی کا باعث تھا۔ جب چند
آدمی باقی رہ گئے تو الہ دین نہ رہ سکا۔ اور
اس نے ایک آدمی کو روک کر پوچھ ہی لیا
"بھائی صاحب یہ کیسی برات ہے۔ نہ دولہا

اور نہ باجے والے؟"

اس آدمی نے حیرت سے الہ دین کی طرف دیکھا وہ سمجھا کہ شاید یہ کوئی پاگل ہے۔ جو جنازے کو برات کہہ رہا ہے مگر صورت سے الہ دی پاگل نہ معلوم ہوتا تھا وہ آدمی کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھنے کو تھا کہ الہ دین نے اسے باز سے پکڑ لیا۔ اور کہا آپ نے جواب تو دیا ہی نہیں۔

"کیا ضرور جواب لوگے" اس آدمی نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"ہاں کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسی بارات نہیں دیکھی جس کے ساتھ دولہا ہی نہ ہو" الہ دین نے کہا۔

"یہ لو" اس آدمی نے ایک زبردست تھپڑ الہ دین کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور بولا۔ "تمہارے سوال کا یہی جواب ہے۔ کیا اب بھی نہیں سمجھے؟"

"جی نہیں" الہ دین نے حیرت سے اپنے گال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تمہیں اچھی طرح سمجھانا پڑیگا" یہ کہہ کر ن آدمی نے الہ دین کو گریبان سے پکڑ کر ی طرف گھسیٹ لیا۔ اور ساتھ ہی مکوں اور ونسوں کی بارش کر دی۔

"ارے ارے کیا کرنے لگے" الہ دین نیچے سے ۔ مگر وہ آدمی تو سخت غصے میں معلوم ہوتا تھا کیونکہ یہ اس کی ماں کا جنازہ تھا۔ جسے ہ دین نے برات کہا تھا۔ دو چار آدمی فوراً جمع کر دونوں میں بیچ بچاؤ کرانے لگے۔ الہ دین کے توں میں سے خون بہنے لگا تھا بڑی مشکل سے گوں نے الہ دین کو اس آدمی سے چھڑایا۔ اور سے لے کر ایک طرف ہٹ گئے۔

"کیا بات تھی یہ تمہیں کیوں مار رہا تھا" ب آدمی نے پوچھا۔ الہ دین کو مارنے والا ایکبار ر چلنے لگا تھا کیونکہ اس کے ساتھی بہت آگے ل گئے تھے۔

"کمال ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاگل تھا ں نے ایک بات ہی پوچھی تھی خواہ مخواہ مارنے ا" الہ دین نے جواب دیا۔

"کیا پوچھا تھا؟" اس پہ الہ دین نے بتا د
سب لوگ سن کر ہنس پڑے۔ الہ دین انہیں ہنسنے
دیکھ کر اور بھی حیران ہوا۔
"بھلے آدمی یہ برات نہیں بلکہ کسی کا جنا
تھا۔ جسے لے کر وہ لوگ قبرستان جا رہے ہیں
لوگوں نے اسے سمجھایا۔
"جنازہ تھا؟" الدین حیرت سے گم کھڑا رہ گ
"ہاں اسی لئے تمہیں مار بھی پڑی ہے۔ آد
کو دیکھ بھال کر کوئی بات کرنی چاہیئے۔" لوگوں
نے کہا۔
"تو بھلا مجھے کیا معلوم تھا۔" الہ دین نے بھولے
سے کہا اور سب لوگ ایکبار پھر ہنسنے لگے۔
ایک جگہ سے الہ دین نے اپنا خون آلود منہ
دھویا اور دل ہی دل میں شہر والوں کو کو
ہوا لاریوں کے اڈے کی طرف چلدیا۔

الہ دین نے آج پھر ہمت چھوڑ دی اور شہر
نے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دو دن میں ہی
ر کھا کھا کر وہ تنگ آ گیا تھا۔ اسلئے آج
جن سے پھر مشورہ کرنا چاہتا تھا۔
گاؤں سے باہر جاکر اس نے بال گرم کرکے
ن کو بلایا تو جن فوراً حاضر ہوگیا۔
"حکم میرے آقا غلام حاضر ہے؟" جن ادب سے
ک کر بولا۔
"بھائی جن صاحب یہ تم نے کیسا مشورہ
تھا نہ بھائی یہ کام تو بہت مشکل ہے

اور میں نہیں کرسکتا۔" الہ دین نے بتلایا۔

"کونسا کام میرے آقا" جن نے پوچھا۔

"وہی بڑا آدمی بننے والا کام۔ دو دن سے شہر جا رہا ہوں اور دو دن میں ہی میرا جسم مار کھا کر پلپلا ہوگیا ہے شہر کے لوگوں کو عقل ہی نہیں۔ خواہ مخواہ بات بات پر مارنے کو دوڑتے ہیں۔ نہ بابا میں تو کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ کوئی اور آسان ترکیب بتاؤ۔" الہ دین نے کہا۔

"میرے آقا آپ نے تو بڑی جلدی میدان چھوڑ دیا۔ کچھ دن تو دیکھتے" جن نے مسکرا کر کہا۔

"نہ بابا میرے تو باپ کی بھی توبہ ہے۔" الہ دین کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔

"تو پھر آپ کس طرح بڑے آدمی بنیں گے؟" جن نے پوچھا۔

"کیا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ طلسمی چراغ والے الہ دین نے تو ساری زندگی کوئی کام نہیں کیا تھا" الہ دین نے شکوہ کیا۔

"آپ کو کتنی دفعہ کہا کہ وہ زمانہ اور تھا

اور یہ زمانہ اور ہے ہزاروں سال گذر گئے ہیں اب تو دنیا ہی ختم ہونیوالی ہے پھر بھلا میری قوتیں کس طرح نہ ختم ہوں۔ اس کے علاوہ اس جادوگر نے مجھ پر ایسا ہی جادو کردیا تھا کہ میں آپ کے صرف اتنا ہی کام آسکتا ہوں جتنا اب تک آیا ہوں۔" جن نے جواب دیا

"تو پھر تم شہر کے لوگوں کو ہی ذرا سمجھادو" الہ دین بیوقوفوں کی طرح بولا۔

"بہت اچھا میں ان سے کہدونگا" اب آپ چلیں آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہر تکلیف کے بعد راحت ملتی ہے اگر کچھ دشواریاں پیش بھی آئیں تو آپ مردانہ وار انکا مقابلہ کریں تو ایک روز آپ ضرور ایک بہت بڑے آدمی بن کر رہیں گے" جن نے سمجھایا۔

جن کے تسلی دینے سے الہ دین پھر شہر جانے پر رضامند ہوگیا۔ اب اس نے پھر تہیہ کر لیا کہ اگر مار بھی پڑیگی تو کھا لوں گا مگر بڑا آدمی بن کر ہی دم لونگا۔

"اور کوئی حکم میرے آقا" جن نے پوچھا۔

"نہیں اب تم جا سکتے ہو۔ میرے پاس ابھی کافی روپے ہیں" الہ دین نے کہا اور جن فوراً ہی غائب ہوگیا۔

الہ دین گھر جانے کی بجائے سیدھا شہر کو چلدیا۔ اب اسکا عزم پھر جوان تھا لاری سے اترا تو دو تین فقیروں نے اسے گھیر لیا۔ الہ دین نے اپنی جیب سے ایک ایک روپیہ نکال کر ان کو دیدیا۔ اور وہ سب اسے دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے۔

آج وہ شہر کے دوسرے حصے کی طرف چلا تھا۔ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سڑک پر ایک بہت بڑی عمارت دیکھ کر رک گیا اس عمارت میں بہت سے دروازے تھے۔ اور ہر دروازے میں شیشے لگے ہوئے تھے بڑے بڑے بورڈ لگے ہوئے تھے۔ جن پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ الہ دین ذرا دور تھا۔ اس لئے یہ نہ پڑھ سکا کہ ان پر کیا لکھا ہوا ہے وہ سمجھا کہ یہ ضرور کوئی محل ہوگا۔ مگر پھر یہ سوچنے لگا کہ اگر یہ محل ہے تو کس کا ہے جن تو

کہتا تھا کہ اب کوئی بادشاہ ہی نہیں رہا اور نہ ہی محل بن سکتا ہے۔

الہ دین یہی سوچ رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے پاس سے گذرا الہ دین نے جھٹ اسے آواز دی وہ آدمی بھی رک کر الہ دین کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے" اس آدمی نے پوچھا۔

"بھائی صاحب ذرا یہ تو بتانا کہ یہ کس کا محل ہے" الہ دین نے پوچھا۔

"محل!" اس آدمی نے حیران ہوکر دیکھا تو قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"کیوں کیا بات ہوئی" الہ دین اسے ہنستے ہوئے دیکھ کر بولا۔

"ارے بھائی یہ محل نہیں یہ منڈوا ہے منڈوا یعنی سینما" اس آدمی نے کہا۔

"اوہ اچھا اچھا" الہ دین فوراً بولا اور اسے یاد آگیا کہ اس کے کئی دوست گاؤں جاکر منڈوے کی باتیں کیا کرتے ہیں۔

"اچھا تو یہ منڈوا ہے اس نے حیرت سے

کہا بالکل محل معلوم ہوتا ہے۔"

"ہاں اور آج شام کو آکر دیکھنا یہاں کتنی رونق ہوتی ہے اس آدمی نے بتلایا۔

"اچھا میں ضرور شام کو آؤنگا" الہ دین نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اور وہ سارا دن شہر میں گھومتا رہا مگر اور کوئی واقعہ یا بات نہ ہوئی الہ دین سوچنے لگا اس طرح لوگ اسے نہ پہچانیں تو پھر بڑا آدمی بننے میں بہت دن لگ جائیں گے۔

شام کو وہ پھر ٹہلتا ٹہلتا اسی طرف آنکلا اب واقعی اس سینما میں بہت سے لوگ تھے اور کئی لوگ ایک کھڑکی کے آگے لائن لگائے کھڑے تھے الہ دین نے سوچا کہ یہ لوگ اس طرح لائن میں کیوں کھڑے ہیں اور کبھی کبھی لائن کے آگے سے ایک دو آدمی نکل کر ایک ٹوٹے دروازے میں چلے جا رہے ہیں الہ دین یہ ماجرا دیکھ کر حیران تو ضرور ہوا مگر پھر وہ خود بھی لائن میں جا کھڑا ہوگیا۔ وہ دل میں ڈر بھی رہا تھا کہ کوئی اسے اس لائن سے نکال

ہی نہ دے۔

اب وہ لائن میں لگا ہوا اپنے سے اگلے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس آدمی نے اپنے ہاتھ کچھ روپے بھی پکڑ رکھے تھے یہ بات بھی الہ دین کے لئے حیرانی والی تھی۔ ابھی وہ یہ بات سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ ایک اور لڑکا آکر الہ دین کے آگے کھڑے ہوئے آدمی سے باتیں کرنے لگا۔ الہ دین کان لگاکر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ اس وقت سینما میں رش ہونے کی وجہ سے شور شرابہ بھی تھا اور کوئی بات سنائی نہیں دیتی تھی اس پر طرہ یہ کہ ساتھ ہی ریکارڈنگ بھی ہو رہی تھی۔

"یار ماجھے تم کتنے ٹکٹ لوگے" اس لڑکے نے پوچھا تھا۔

"تین؟" ماجھے نے فوراً جواب دیا۔

"ایک میرا بھی لے لو۔ کیا پیسے دوں۔ لڑکے نے پوچھا۔

"لاؤ یار تم بھی کیا یاد کروگے" الہ دین کے

آگے کھڑا ہوا ماجھا بولا۔

اس پر اس لڑکے نے کچھ روپے جیب سے نکال کر ماجھے کو پکڑا دیئے۔ الہ دین یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یاالٰہی یہ ٹکٹ کس چیز کے لئے جا رہے ہیں نہ تو یہاں کوئی لاری یا بس ہی کھڑی نظر آتی ہے اور نہ ہی یہاں ریل گاڑی آسکتی ہے۔ پھر یہ چکر کیا ہے یہ شہر کے لوگ کیا چکر چلا رہے ہیں۔ مگر اتنا کچھ سوچنے کے باوجود اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آسکی اتنے میں اس کے آگے کھڑا ہوا آدمی ایک دوسرے آدمی سے باتیں کرنے لگا اور الہ دین نے اپنے کان پھر ان کی گفتگو کی طرف لگا دیئے۔

"بہت اچھی پکچر ہے میں تیسری بار دیکھنے آیا ہوں" ایک آدمی بولا۔

"ہاں میں نے بھی ایک بار دیکھی ہے ٹارزن کا کام بہت اچھا ہے" دوسرا بولا۔

"اور وہ ٹارزن اور شیر کی لڑائی کیسی ہے؟" پہلے نے پوچھا۔

بھئی جواب نہیں۔ سچ پوچھو تو بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے" دوسرے نے جواب دیا۔

"مگر یہ ٹارزن کون ہے جو شیر سے لڑتا ہے۔ کیا شیر سے بھی کوئی لڑ سکتا ہے وہ تو جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے یہ ٹارزن بھی ضرور جنگل کے کسی جانور کا نام ہی ہو گا۔ جو میں نے اس سے پہلے نہیں سنا" الہ دین نے ان کی گفتگو سن کر سوچا۔

عین اسی وقت الہ دین کا اگلا ساتھی کھڑکی تک جا پہنچا اس نے اپنا پیسوں والا ہاتھ کھڑکی کے اندر داخل کردیا اور بولا۔

"بابوجی چار ٹکٹ دینا چار سیکنڈ کلاس کے۔"

اسکو دیکھ کر الہ دین بھی اپنی جیب سے روپے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ چکا تھا۔ اور جب اسکی باری آئی تو اس نے بھی اپنے پیسوں والا ہاتھ کھڑکی کے اندر داخل کردیا۔

اندر سے کسی نے اس کے ہاتھ پر سے پیسے اٹھا کر ایک کاغذ سا اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ الہ دین نے فوراً اپنا ہاتھ باہر نکالا

تو ایک چھوٹا سا لال رنگ کا چھپا ہوا کاغذ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔

جس طرف دوسرے آدمی گئے تھے وہ بھی اسی طرف چلنے لگا۔ایک دروازے پر ایک آدمی کھڑا تھا اس نے الہ دین کے ہاتھ سے ٹکٹ لے کر اسے پھاڑ دیا اور ایک ٹکڑا الہ دین کی طرف بڑھا دیا۔ الہ دین نے یہ دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ کہ میں نے تو روپے خرچ کرکے ٹکٹ حاصل کیا اور اس نے فوراً اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اس نے اس آدمی کو فوراً گریبان سے پکڑ لیا۔ وہ آدمی حیران ہوکر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے بھئی؟" وہ آدمی ذرا بدمعاش سا تھا اکڑ کر بولا۔

"تم نے میرا ٹکٹ کیوں پھاڑا ہے۔ ابھی یہاں میرے روپے رکھ دو ورنہ میں ابھی دو تین گھونسے لگا دوںگا" الہ دین نے کہا۔

وہ آدمی یعنی گیٹ کیپر نے جھٹکا دے کر اپنا گریبان چھڑایا اور سمجھ گیا کہ وہ ایک بے وقوف

یا پھر کوئی انجان آدمی ہے جو پہلی دفعہ سینما میں آیا ہے اس لئے اسے غصے کی بجائے ہنسی آگئی۔

"ایک تو میرا نقصان کر دیا۔ اور اوپر سے ہنس رہے ہو" الہ دین پھر غصے میں آکر بولا۔

"ذرا صبر کرو میرے بھائی" گیٹ کیپر نے اسے روک کر کہا "یہ دیکھو میرے ہاتھ میں کیا ہے" اس نے اپنا وہ ہاتھ الہ دین کو دکھایا جس میں بہت سے پھٹے ہوئے آدھے ٹکٹ تھے۔

الہ دین نے دیکھا تو وہ بولا کہ "اس طرح سب لوگوں کے ٹکٹ پھاڑے گئے ہیں اس لئے تم فکر نہ کرو اور اندر جاکر بیٹھ جاؤ"

الہ دین کچھ شرمندہ بھی ہوا لیکن پھر چپ چاپ ہال کے اندر داخل ہو گیا۔ ہال کے اندر بہت سے لوگ کرسیوں اور بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور بہت شور مچا ہوا تھا الہ دین حیرت سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور ایک خالی کرسی دیکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔

ہال میں بہت سے چھوٹے چھوٹے لڑکے مختلف

چیزیں فروخت کرتے پھر رہے تھے۔ اور انہوں نے آوازیں لگاکر سارا ہال سر پہ اٹھا رکھا تھا الہ دین نے ذرا غور سے دیکھا تو کچھ عورتیں بھی بیٹھی نظر آئیں۔ ایک عورت تو اس کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی الہ دین کو شرم بھی آئی اور حیرانی بھی ہوئی اب ایک نئی بات سوچنے لگا۔ کہ معلوم نہیں یہاں اب کیا ہوگا اتنے لوگ جمع ہیں جن میں عورتیں بھی ہیں اور یہ سب لوگ ہی پیسے خرچ کرکے اندر آ کر بیٹھ گئے ہیں۔

کیا یہاں کھانا کھلایا جائیگا۔ یا کچھ اور ہو گا مگر کھانا کھانے کے لئے میز تو ہیں ہی نہیں پھر کیا روٹیاں ہاتھوں میں پکڑیں گے۔

ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ سینما ہال میں ایک گھنٹی بجنے لگی۔ الہ دین نے چاروں طرف دیکھا مگر اسے کسی طرف بھی گھنٹی بجانے والا نظر نہ آیا ایک بات اس نے محسوس کی کہ گھنٹی بجتے ہی آلو چھولے اور دوسری چیزیں بیچنے والے باہر کی طرف جانے لگے تھے۔

تو کیا یہ گھنٹی ان لوگوں کے لئے بجائی گئی ہے یا کوئی اور بات ہے اس جگہ آکر الہ دین نے بہت ہی عجیب باتیں محسوس کی تھیں۔ گھنٹی کی آواز ختم ہوتے ہی ہال میں ایکدم اندھیرا ہوگیا ایکدم اندھیرا ہونے سے الہ دین کو یوں لگا جیسے وہ اندھا ہوگیا ہو۔

"یہ کیا ہے کس نے روشنی بند کی ہے۔" الہ دین اپنی کرسی پہ کھڑا ہوکر زور زور سے بولا۔ مگر کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"میں کہتا ہوں میرے سامنے آؤ اس طرح اندھیرے میں کسی کا کوئی نقصان نہ ہوجائے۔ وہ ایکبار پھر گرجا۔ الہ دین کے دائیں ہاتھ بیٹھنے والے آدمی نے اسکا ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھانے کی کوشش کی مگر الہ دین سخت گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

"بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔" پیچھے سے بہت سے آدمی چیخنے لگے اور کئی قہقہے بھی سنائی دے۔

"نہیں بیٹھتا" الہ دین پیچھے گھوم کر بولا۔

"یہ کون گدھا ہے" ایک اور آواز آئی۔ یہ سب کچھ لائٹ بند ہونے کے بعد چند لمحوں میں

ہی ہوا تھا۔ اسی وقت سامنے سکرین روشن ہوگئی۔ جس پر لکھا تھا۔

"السلام علیکم" الہ دین نے زور سے "وعلیکم السلام" کہا اور اس کے ساتھ ہی اِردگرد بیٹھے ہوئے لوگ قہقہے لگانے لگے۔ سکرین روشن ہوئی تو کچھ روشنی بھی ہوگئی اس لئے الہ دین کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی جلدی سے بیٹھ گیا اور چپ ہوکر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔

"یار یہ کیا گھپلا کرنے لگے تھے" اسکے ساتھ والا آدمی بولا "کیا کبھی پہلے سینما نہیں دیکھا۔ اس آدمی نے پوچھا۔

"نہیں میں پہلی بار آیا ہوں"۔ الہ دین نے جواب دیا

پھر خاموشی سے بیٹھ کر دیکھو ورنہ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہیں اٹھاکر باہر پھینک دیں گے اس آدمی نے جواب دیا۔

اب سکرین پر نمبر وغیرہ آنے لگے تھے اور کچھ ہی دیر بعد ایک جنگل کے سین سے فلم شروع ہوگئی سین میں ٹارزن کو دکھایا گیا تھا جو درختوں کی شاخوں سے جھولا جھولتا ہوا ایک درخت

سے دوسرے درخت پہ جارہا تھا۔

"یہ آدمی ہے یا بندر" الہ دین خوش ہوکر ذرا بلند آواز سے بولا۔

"چپ رہو" اور الہ دین منہ پھاڑکر حیرت سے دیکھتا رہا کئی بار تو وہ ڈر ڈر کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کے ساتھ لگ جاتا تھا زیادہ تر جنگل کے ہی سین تھے کیونکہ یہ فلم ٹارزن کے متعلق تھی

ابھی فلم شروع ہوتے مشکل سے دس پندرہ منٹ ہی ہوئے ہونگے کہ ایکدم سکرین پر شیر دور ہی نظر آرہا تھا اور وہ سیدھا چلا آرہا تھا آہستہ آہستہ ہوتے ہوتے شیر کا چہرہ سکرین پر بڑا ہوتا گیا اور اب اسطرح معلوم ہونے لگا جیسے شیر ایکدم ہال میں چھلانگ لگادے گا۔ اسی وقت شیر ایکبار اور گرجا۔ اس کے ساتھ ہی الہ دین کی چیخ بھی سارے ہال میں گونج اٹھی اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایکدم بھاگا مگر اپنے بائیں ہاتھ بیٹھی ہوئی عورت پہ جا گرا۔ دوسری چیخ اس عورت کی تھی سارے ہال میں افراتفری مچ گئی اور سب لوگ

گھبرا گھبرا کر اپنی سیٹوں پہ کھڑے ہوگئے۔ اور
سارے ہال میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جانے
لگیں۔ الہ دین کو دو آدمیوں نے اندھیرے میں ہی دبوچ
لیا تھا جب معاملہ حد سے گذر گیا تو ہال میں روشنی
کر دی گئی فلم بند ہو گئی تھی۔ الہ دین نے ہال
کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے سکرین کی طرف
دیکھنے لگا جیسے وہ شیر کو دیکھ رہا ہو۔ مگر اب
وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

"یہ کون جانور ہے" اوپر بکس سے ایک آواز
آئی۔ "اسے اٹھاکر باہر پھینک دو۔" دو تین تماشائیوں نے
الہ دین کو اٹھایا اور دروازے سے باہر لے جاکر
زور سے زمین پر دے مارا۔

"خبردار بھاگ جاؤ اگر اب اس طرف کا رخ
کیا تو ٹانگیں توڑ دیں گے۔" ان آدمیوں نے کہا۔
الہ دین کو گرنے سے سخت چوٹ آئی تھی۔ مگر وہ
خاموش ہی رہا۔ ابھی وہ اٹھنے بھی نہ پایا تھا
کہ ہال کا دروازہ بند ہوگیا الہ دین نے اٹھکر کپڑے
جھاڑے اور باہر کی طرف چلنے لگا۔

"کمال ہے خواہ مخواہ ہی گلے پڑنے لگتے ہیں۔ اتنا

ا شیر تھا اگر واقعی مجھ پر چھلانگ لگا دیتا
ر کیا ہوتا۔ کیا میں اپنی جان بھی نہ بچاتا۔"
ہ بڑبڑاتے ہوئے چلتا رہا۔

اب اندھیرا ہر طرف پھیل گیا تھا۔ اس لئے
لہ دین نے گاؤں جانے کی بجائے شہر میں ہی
ات بسر کرنے کا ارادہ کرلیا اس طرف آتے ہوئے
ہ پہلے ہی ایک جگہ چارپائی اور بستر کی آوازیں سن
کر سمجھ گیا تھا۔ کہ یہاں رات کو مسافر وغیرہ
ٹھہرتے ہونگے اس لئے اس کے قدم اب اسی
رف اٹھ رہے تھے۔

وہ رات اس نے ہوٹل میں گذاری اور صبح سویرے اٹھ کر شہر سے باہر چلا گیا کیونکہ گاؤں میں رہتے ہوئے رفع حاجت کیلئے روزانہ باہر جانے کی عادت تھی

دوسری سڑک پر ایک اور سینما بنا ہوا تھا الہ دین نے دیکھا تو اور بھی خوش ہوگیا کیونکہ یہ کل والے سینما سے بہت بڑا اور خوبصورت تھا۔

چلو یہ منڈوے والی قسم بھی ٹوٹی۔ اب میں بھی گاؤں جاکر منڈوے کی باتیں کرونگا مگر رات تو واقعی اللہ نے بچالیا ورنہ شیر نے تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی پھر وہ یہ سوچ کر حیران ہوتا

رہا کہ بھلا شہر میں جنگل کہاں سے آگیا اور اتنے ڈھیر سارے جنگلی جانور بھی تھے۔ بندر تھے چیتے تھے اور شیر بھی تھا پھر یہ سب کہاں گئے جب روشنی ہوئی تھی تو وہاں کوئی بھی جانور نہ تھا ضرور یہ شہر والوں کی کوئی کاریگری ہوگی۔ یہ شہر والے عجیب ہیں۔ ان کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا

"ایں یہ کیا؟" الہ دین نے اس سینما کے گیٹ پر لگے ہوئے بہت بڑے بورڈ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ بورڈ پر ایک عورت اور مرد کی تصویر بنی ہوئی تھی جو قریباً قریباً ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے کو تھے۔

"کیا ان کو شرم نہیں آتی۔ بیچ بازار یعنی سڑک پر ایسا کرنے والے ہیں؟" الہ دین نے سوچا۔ تیزی سے قدم اٹھاکر اس جگہ سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر شہر کی طرف واپس آیا تو ایک دوسری سڑک پر سے ہوکر لوٹا تھا۔

اسی وقت اس کے پاس سے ڈبل منزلی بس گذری الہ دین کے لئے یہ بھی ایک نئی چیز تھی

وہ حیرت میں گم کھڑا جاتی ہوئی بس کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا یہ اوپر والی بس نیچے نہیں گرتی۔

جب وہ ذرا اور آگے بڑھا تو ایک چوک میں ایک یکہ یعنی ٹانگہ کھڑا تھا اس میں ایک آدمی پیچھے بیٹھا ہوا اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک چھوٹے سے ڈبے کے سامنے کچھ بول رہا تھا اور اس کی آواز بہت اونچی ہوکر الہ دین تک پہنچ رہی تھی آواز کہہ رہی تھی کہ "حضرات آج شام کو عیدگاہ گراؤنڈ میں ایک بڑا جلسہ عام ہوگا جس میں حضرت علم دین صاحب تقریر کریں گے۔ مہربانی کرکے آپ سب لوگ آئیں"۔

"واہ واہ یعنی جلسہ، جن صاحب نے بھی تو کہا تھا کہ تم کسی جلسے میں تقریر کرنا تو بڑے آدمی بن جاؤ گے۔ چلو آج شام کو جلسہ بھی دیکھیں گے اور یہ بھی معلوم کریں گے کہ وہ کون ہے جو آج تقریر کرکے بڑا آدمی بننے والا ہے۔

"معلوم نہیں میری باری کب آئے گی۔ اور میں

کب بڑا آدمی بنوں گا ابھی تو شہر کے لوگ ہی مجھے نہیں پہچانتے بلکہ بات بات پر ہنسنے لگتے ہیں۔

ایک جگہ سے اس نے لسی لے کر پی۔ اسے بہت مزہ آیا اس لئے وہ تین چار گلاس لسی کے بنواکر پی گیا۔

ایک دو گھنٹے اسے یونہی گھومتے ہوئے گزر گئے تین چار دنوں میں ہی اس نے سارا شہر دیکھ لیا تھا۔ اور وہ بازاروں کو کچھ کچھ پہچاننے لگا تھا اس وقت وہ ایک بڑے بازار سے گزر رہا تھا الہ دین چلتے چلتے ایک بڑے شیشے کے شوکیس کے سامنے کھڑا ہوگیا شوکیس کے اندر ایک بہت ہی خوبصورت عورت اچھے اچھے کپڑے پہنے اور آنکھوں پر عینک لگائے کھڑی تھی الہ دین کو ایسے لگا جیسے وہ عورت شیشے کے اندر سے اس کی طرف ہی دیکھ رہی ہے۔ یہ احساس ہوتے ہی وہ ذرا اکڑ کر کھڑا ہوگیا دکاندار نے اسکی طرف دیکھا تو مسکرانے لگا۔ دراصل یہ ایک مجسمہ تھا۔ جو کپڑے پہناکر ماڈل کے طور پر شوکیس میں رکھا

ہوا تھا۔ لیکن الہ دین اسے ایک اصلی عورت ہی سمجھا تھا۔ اس کی نظریں اچانک ہنستے ہوئے دکاندار کی طرف اٹھ گئیں اور الہ دین شرمندہ ہوکر فوراً آگے بڑھ گیا۔

آگے ایک جوتوں کی دکان تھی۔ دکان کے باہر ایک بہت بڑا جوتا لٹک رہا تھا۔ الہ دین نے جوتا دیکھا تو پھر حیران ہوگیا اور سوچنے لگا کہ یہ جوتے کون پہنتا ہوگا ابھی اس کی حیرانی دور بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک دوسری دکان کے آگے بہت بڑا قلم لٹکتا ہوا نظر آگیا یہ ایک کتابوں کی دکان تھی۔ کیا یہ قلم بھی انسان استعمال کرتے ہونگے پر نہیں یہ قلم ضرور وہی آدمی استعمال کرسکتا ہے جو وہ پہلے والے جوتے پہنتا ہوگا۔ جس کے اتنے بڑے بڑے پاؤں ہونگے اس کے ہاتھ بھی ضرور بڑے بڑے ہوں گے۔

یہی کچھ سوچتا ہوا وہ بازار میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ آج شہر سے ہی بال کٹوالے۔ کیونکہ اس کے بال بہت بڑے بڑے ہوگئے تھے۔ مگر اسی وقت اسے یہ

خیال بھی آیا کہ گزشتہ تین چار دنوں میں اس نے شہر میں ایک بھی نائی نہ دیکھا تھا کیا شہر میں نائی نہیں ہوتے شہر کے لوگ کہاں سے حجامت بنواتے ہونگے۔ اس نے اِدھر اُدھر سے گزرنے والے لوگوں کی طرف دیکھا اور ان میں سے کئی آدمیوں کی بنی ہوئی حجامت دیکھکر مطمئن ہوگیا۔ اب اسے تسلی ہوگئی تھی کہ شہر میں بھی نائی ضرور ہوتے ہوں گے۔

اب وہ ایک گھڑیوں کی دکان کے سامنے پہنچ گیا تھا دکان کے باہر ایک بہت بڑی گھڑی لگی ہوئی تھی کمال ہے یہاں بھی اتنی بڑی گھڑی لٹک رہی ہے آخر یہ ماجرا کیا ہے؟

الہ دین نے ذرا دماغ پر زور دیا تو ساری بات سمجھ میں آگئی

"اوہو تو یہ بات ہے" وہ دل ہی دل میں بولا میں بھی کتنا بیوقوف ہوں جو پہلے یہ بات نہ سمجھ سکا اب وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ گھڑی بوٹ اور وہ قلم دراصل یہ بات بتانے کے لئے لٹکائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو دور سے ہی معلوم

ہو سکے کہ یہاں گھڑیاں اور بوٹ فروخت ہوتے ہیں۔

واہ کتنی مزیدار بات ہے اس سے تو شہر والے بڑے عقل والے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شہر والے بھی عجیب اور نئے نئے کام کرتے ہیں اب اسے اس بات کی دھن سوار ہوچکی تھی کہ وہ جلد بال کٹوالے۔ اس نے بازار میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تاکہ دیکھ سکے کہ کسی دکان کے آگے کوئی سر بھی لٹکا ہوا ہے یا نہیں کیونکہ اسکا خیال تھا کہ نائیوں کی دکان کے باہر بھی ضرور انہوں نے کسی کا سر کاٹ کر لٹکا رکھا ہوگا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں بال کاٹے جاتے ہیں۔

لیکن اسے کہیں بھی ایسا سر لٹکا ہوا نظر نہ آیا اس پر وہ ذرا پریشان سا ہوگیا اس نے ایک گذرنے والے سے پوچھا کہ نائی کی دکان کدھر ہے اس آدمی نے ادھر اُدھر دیکھا اور ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھو وہ سامنے نائی کی ہی دکان ہے۔"

"کہاں کدھر؟" الہ دین نے اس کی انگلی کی سیدھ

میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بھائی وہ سامنے جس کے دروازوں میں شیشے لگے ہوئے ہیں" اس آدمی نے جواب دیا۔

"اوہ اچھا وہ جس کے شیشے پر لال سیاہی سے کچھ لکھا ہوا ہے؟" الہ دین نے کہا۔

"ہاں وہی" اس آدمی نے کہا اور آگے چلدیا۔

الہ دین نائی کی دکان کی طرف بڑھا قریب جاکر دیکھا تو بڑی شاندار دکان تھی ساری جگہوں پہ شیشے لگے ہوئے تھے اور شیشوں میں سے اندر بہت سی کرسیاں نظر آرہی تھیں۔

الہ دین نے دکان کے اوپر کی طرف دیکھا مگر اسے کوئی نشانی بھی لگی ہوئی نظر نہ آئی اسی لئے مجھے اب تک کسی نائی کی دکان نظر نہ آئی تھی کیونکہ انہوں نے تو شیشے ہی شیشے لگا رکھے ہیں ایسی دکانیں تو میں نے بہت سی دیکھی ہیں۔ لیکن اب تک یہی سمجھتا رہا کہ یہ کوئی ہوٹل وغیرہ ہوگا الہ دین نے دل میں سوچا اور آگے ہوکر دروازہ کھولنا چاہا مگر کوئی دروازہ نظر آتا تو کھولتا وہ یونہی ایک شیشے کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگا اسی

وقت ایک دروازہ کھلا اور اندر سے ایک آدمی نے نکل کر الہ دین کی طرف غور سے دیکھا۔ الہ دین اسکو نظرانداز کرتا ہوا اندر داخل ہوگیا اندر جاکر وہ اور بھی حیران رہ گیا کیونکہ دکان اندر سے تو کسی بادشاہ کا کمرہ معلوم ہوتی تھی الہ دین کو ہر طرف شیشوں میں اپنا منہ نظر آیا اور رنگ برنگی تصویروں والے بڑے بڑے کاغذ بھی دیواروں کیساتھ لٹک رہے تھے الہ دین کو یقین نہ آیا کہ یہ کسی نائی کی دکان ہوگی۔ ضرور اس آدمی نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

"کیا بات ہے" دروازہ کھولنے والے نے اس سے پوچھا۔

"ایں" الہ دین چونک اٹھا "حجامت بنوانا ہے" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"تو پھر اس کرسی پر تشریف رکھئے" دکاندار نے کرسی کھسکا کر کہا۔

"کیا رکھوں؟ میرے پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں ہے" الہ دین حیرت سے بولا۔

"اوہ میرا مطلب تھا کہ اس کرسی پر بیٹھ جائیے

دکان والا ہنس کر بولا۔

"اوہ یوں کہو ناں کہ یہاں بیٹھو" الہ دین نے پھر مسکرا کر کہا۔

اب اسے یقین ہوگیا تھا کہ یہ نائی ہی کی دکان ہے مگر وہ ابھی تک یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ نائیوں نے اپنی دکان کے باہر کوئی نشانی کیوں نہیں لگائی۔

کل وہ گاؤں واپس نہ گیا تھا اسلئے اس نے سوچا کہ اب جلسے کو رہنے دے کیونکہ اس طرح اسے آج بھی دیر ہو جائے گی اور اسکی ماں کو بہت فکر ہوگا۔

اس لئے اس نے جلسے کا پروگرام ملتوی کردیا اور گاؤں واپس جانے کی نیت سے لاری اڈے کی طرف چلنے لگا۔

روز روز شہر جانے سے الہ دین اکتا سا گیا تھا مگر وہ بڑا آدمی بھی تو بننا چاہتا تھا اور بڑا آدمی بننے کے لئے شہر جانا بھی ضروری تھا مگر اب اس کا دل قطعاً شہر جانے کو نہ چاہتا تھا اس نے آخری بار جن سے گفتگو کرنے کے لئے اسے بلانے کے لئے گاؤں سے باہر کا راستہ لیا وہ جن سے ملاقات کر کے ہی آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔

بال گرم کرتے ہی جن فوراً حاضر ہوگیا اور سر جھکا کر الہ دین کے آگے کھڑا ہو گیا۔

"بھائی جن صاحب ابھی تک تو تمہاری ترکیب فیل ہی ہورہی ہے" الہ دین نے کہا۔

"تو پھر میرے آقا کوئی اور حکم دیں۔ میں حاضر ہوں۔" جن نے پوچھا۔

"اچھا تو پہلے میرے لئے مٹھائی لے کر آؤ پھر میں سوچکر بتاؤنگا" الہ دین نے حکم دیا۔

"آقا ایک ہی بار کیوں نہیں بتا دیتے۔" جن نے کہا۔

"کیونکہ ابھی میں بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا" الہ دین نے جواب میں کہا

"مگر میں نے کہا تھا کہ مجھے بار بار نہ بلایا کریں۔" جن پھر بولا۔

"یار جن صاحب ایکبار تو دل خوش کردو۔ شاباش جاؤ اب انکار نہ کرنا۔

"بہت اچھا میرے آقا میں ابھی مٹھائی حاضر کرتا ہوں۔" جن نے بڑے ادب سے کہا۔

"اور کچھ روپے بھی لے آنا۔" الہ دین جلدی سے بولا

"کیا پہلے والے روپے ختم ہوگئے ہیں؟" جن نے سوال کیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

"تمہیں اس سے کیا اور تمہارا اس میں بھلا حرج ہی کیا ہے۔" الہ دین نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"مگر آپ اتنے سارے روپے کیا کرینگے؟" جن نے پھر اعتراض کیا۔

"یار مان بھی جایا کرو۔" الہ دین نے خوشادی لہجے میں کہا۔

جن فوراً غائب ہوگیا۔ الہ دین اس کے جاتے ہی سوچنے لگا کہ اب جن آئے تو اس سے کیا کہوں گا۔

لیکن اس کے کچھ سوچنے سے پہلے ہی جن دوبارہ نمودار ہوگیا۔ اس نے بہت سی مٹھائی اور بہت سے روپے کے بنڈل الہ دین کے سامنے رکھ دیئے۔

"شاباش تم بہت اچھے ہو۔" الہ دین نے خوش ہوکر کہا۔

"کیا میں اب جاؤں؟" جن نے پوچھا۔

"مگر وہ بڑا آدمی بننے والی بات بھی تو کرو" الہ دین نے پوچھا۔

"آپ کو بتایا تو تھا مگر آپ خود ہی بڑا آدمی نہیں بننا چاہتے" جن نے کہا۔

"واہ بننا کیوں نہیں چاہتا۔ روز ہی اس کیلئے مار کھاتا ہوں کوئی ایسی ترکیب بتاؤ جس سے میں فوراً ہی کوئی بڑا آدمی بن جاؤں۔" الہ دین نے پوچھا۔

"تو پھر ایسا کریں کہ شہر جاکر جگہ جگہ رک رک کر کچھ لوگوں کو اکٹھا کرکے تقریر کرنے لگیں۔ اس سے لوگ آپ سے جلد ہی واقف ہو جائیں گے" جن نے مشورہ دیا۔

"پھر اسکے بعد کیا کرونگا۔" الہ دین نے پوچھا۔

"جب دو چار تقریریں کریں گے تو پھر ہوسکتا ہے شہر والے آپ کے لئے کوئی بڑا جلسہ کر دیں اس طرح آپ کو وہ موقعہ مل جائے گا" جن نے تبلایا۔

"مگر تقریر کس طرح کی جاتی ہے؟" الہ دین نے پوچھا۔

"واہ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ جو منہ میں آئے کہتے جائیے گا کوئی بات تو لوگوں کو

پسند آ ہی جائیگی۔" جن نے کہا۔

"بالکل ٹھیک!" الہ دین جن کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا۔ "آج میں اسی طرح کرونگا۔ اور آج ہی بڑا آدمی بن کر دکھاؤں گا۔"

جن خاموش ہی کھڑا رہا۔

"کیا آپ کو شہر پہنچادوں؟" جن نے کہا۔

"کیا تم پہنچاؤگے؟" الہ دین نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں آپ آنکھیں بند کریں ایک منٹ میں شہر پہنچ جائیں گے۔"

اچھا الہ دین ایک دم خوش ہوگیا۔ مگر پہلے تو کبھی تم نے پہنچایا ہی نہیں۔ خواہ مخواہ روز لاری میں جاتا ہوں۔

"آپ نے اس سے پہلے کہا ہی نہیں۔" جن بولا۔ اب آنکھیں بند کریں۔ الہ دین نے فوراً آنکھیں بند کرلیں.......... بس اب کھولدیں۔ اس کے کانوں میں فوراً ہی آواز آئی اس نے آنکھیں کھولیں تو شہر میں لاریوں کے اڈے کے پاس کھڑا تھا وہ بڑا حیران ہوا اور خوش بھی ہوا کہ اتنی جلدی شہر آگیا۔

"اب اسے یاد آیا کہ وہ مٹھائی اور روپے تو وہیں درختوں کے پاس ہی بھول آیا ہے مگر خیر وہیں جاکر لے لوں گا وہاں کون آئیگا" اس نے سوچا اور بازار کو جانے والی سڑک پر ہولیا۔

بازار میں پہنچا تو دیکھا کہ ابھی بہت کم لوگ بازار میں آجا رہے ہیں۔

وقت گذارنے کے لئے وہ ایک ہوٹل میں گھس گیا تاکہ لسی پی لے۔ ایک کرسی پر بیٹھا ہی تھا کہ ہوٹل کے نوکر نے چائے کا ایک کپ لاکر اس کے آگے رکھ دیا۔ الہ دین نے دیکھا تو اس کا رنگ اسے بہت برا لگا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے بیرے سے پوچھا۔

"صاحب چائے ہے۔" بیرے نے جواب دیا۔

"یہ چائے ہے۔ کیا اس میں دودھ نہیں ڈالا" الہ دین نے پوچھا۔

"ڈالا ہے جناب پورا آدھی چھٹانک دودھ اس میں ڈالا ہے۔" بیرے نے جواب دیا۔

"اچھا پھر تو واقعی ٹھیک ہوگا۔" الہ دین بولا

اور جلدی سے اس نے کپ اٹھا لیا۔ کیونکہ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ اسکی طرف دیکھنے لگے۔ چائے سے فارغ ہوکر اس نے پوچھا "کتنے پیسے دوں۔"

"آٹھ آنے" بیرے نے جواب دیا۔

"آٹھ آنے" الہ دین حیرت سے بولا۔ یعنی اس گرم پانی کے آٹھ آنے"

"جی ہاں زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں ورنہ اٹھا کر باہر پھینک دیں گے" بیرے نے غصے سے کہا۔ الہ دین نے جلدی سے پیسے نکال کر اسے دیدیئے اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ ہوٹل کے دروازے پر رک کر اس نے تقریر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

دو تین آدمی ہوٹل کے دروازے پر کھڑے تھے اور دو چار آدمی پاس سے گذر رہے تھے الہ دین نے فوراً ان کو مخاطب کیا۔

"شہر کے لوگو، بھائیو، بادشاہو ذرا میری بات تو سن لو پھر آگے چلے جانا۔ یہ دنیا کے کام تو ہوتے رہیں گے۔ الہ دین شروع ہوتے ہی اونچی

آواز سے بولا۔ ہوٹل کے دروازے پر کھڑے ہوئے والے اور راستہ چلنے والے آدمی اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

"میں تمہارے ہی فائدے کی بات کروں گا اس لئے میری بات ضرور مان لینا کیونکہ میں ایک بڑا آدمی بننے والا ہوں" الہ دین بولا۔

"کچھ آگے بھی تو پھوٹو یونہی بکے جارہے ہو" ایک آدمی بولا۔

"کچھ پاگل معلوم ہوتا ہے" ایک دوسرا آدمی بھی بول اٹھا۔

"نہ نہ میں پاگل نہیں ہوں۔ اس ہوٹل سے چائے پی کر نکلا ہوں اس لئے دماغ ذرا گرم ضرور ہے مگر پاگل نہیں ہوں۔ جب میں بڑا آدمی بنونگا تو آپ میرے آگے پیچھے پھریں گے اس لئے اب ہی میری بات سن لو" الہ دین نے کہا۔

"ارے تو کچھ سناؤ بھی؟ بڑا آدمی تو ہم تمہیں ابھی بنا دیتے ہیں" لوگوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"کیا سناؤں ابھی تو کوئی بات سمجھ میں نہیں

آرہی۔ بس یہی جان لو کہ اس ہوٹل والے نے چائے کے بہت پیسے لئے ہیں آٹھ آنے یعنی آدھا روپیہ اس لئے آپ لوگ اس ہوٹل میں چائے نہ پیئیں" الہ دین نے تقریر شروع کی۔

ابھی الہ دین یہیں تک پہنچا تھا کہ ہوٹل کے اندر سے ایک آدمی نکلا اس نے باہر آتے ہی آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا اوپر نیچے دو تین گھونسے اور تھپڑ الہ دین کو جڑ دیئے اور اسے گھسیٹ کر سڑک پر گرا لیا۔

اسی وقت ایک پولیس کا سپاہی آگیا اس نے دونوں کو لڑتے دیکھا تو جھڑک کر بولا۔

"ارے کیوں لڑتے ہو کون ہو تم لوگ"

ہوٹل والے نے چپکے سے پانچ روپے کا نوٹ سپاہی کی مٹھی میں دے دیا اور بولا یہ کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے سنتری صاحب اسے لے جائیں چند دن سرکاری مہمان بنا کر رکھیں تو دماغ ٹھیک ہو جائے گا"

"اٹھو" سپاہی نے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر مار کر الہ دین کو اٹھایا الہ دین حیران پریشان

اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"سپاہی صاحب آپ مارتے کیوں ہیں اگر میں بڑا آدمی بن گیا تو اسکا بدلہ ضرور لونگا" الہ دین نے کہا۔

"بڑا آدمی بننا کیا مشکل ہے۔ کیا ابھی بنا دوں" سپاہی بولا۔

"ہیں وہ کیسے" الہ دین حیرت سے بولا اور سوچا اتنے دنوں سے کوشش کر رہا ہوں۔ مگر ابھی تک کچھ بھی نہ ہوا اور یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی بنا دیتا ہوں"

"ابھی تمہارا منہ کالا کرکے کسی گدھے پر سواری کرا دیتے ہیں پل بھر میں دس بیس پیچھے اکٹھے ہو جائیں گے پھر سمجھ لو بڑے آدمی بن گئے" سپاہی نے مسکرا کر کہا۔

"اچھا آپ تو مذاق کرنے لگے" الہ دین نے کہا اور جانے کے لئے قدم اٹھایا۔

"ارے کدھر جاتے ہو۔ ادھر میرے آگے لگو" سپاہی بولا کیونکہ اس کی مٹھی گرم تھی۔

"کیوں؟ ادھر کیا ہے" الہ دین نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ تھانیدار صاحب تمہیں دیکھکر بہت خوش ہوں گے۔" سپاہی نے طنزیہ کہا۔

"مگر میں تو کسی تھانیدار کو نہیں جانتا پھر بھلا وہ کیوں خوش ہوگا؟" الہ دین نے حیرت سے پوچھا۔

"واہ تم ایک بڑے آدمی بننے والے ہو پھر بھلا وہ کیوں نہ خوش ہوں گے. چلو اس طرف چلو" سپاہی نے طنزیہ کہا۔

سپاہی زبردستی الہ دین کو ساتھ لے کر پولیس چوکی کی طرف چلا گیا الہ دین حیران پریشان اس کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا دو چار آدمی بھی تماشا سمجھ کر ساتھ ہو لئے تھے.

"کیا بات ہے یہ کون ہے؟" چوکی میں ایک سپاہی نے پوچھا۔

"یہ بڑے آدمی صاحب ہیں اور بسم اللہ ہوٹل کا بیڑہ غرق کر رہے تھے" پہلے سپاہی نے کہا۔

"اچھا پھر تو اسے ضرور تھانیدار صاحب کے پاس لے جاؤ کیونکہ وہ ایسے بڑے آدمیوں سے

مل کر بہت خوش ہوتے ہیں" دوسرے سپاہی نے ہنس کر کہا۔

اب الہ دین بھی سوچنے لگا کہ کیا واقعی تھانے دار بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ دونوں سپاہیوں نے یہی کہا ہے۔ تھانے دار اس سے مل کر خوش ہوگا۔

سپاہی اسے اندر لے گیا۔ اندر کمرے میں ایک آدمی بیٹھا تھا جس کی مونچھ کی جگہ ہونٹوں پر صرف چند ہی بال تھے دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہونٹوں کے اوپر ناک کے نیچے کوئی مکھی بیٹھی ہو۔

"کیا ہے۔" وہ ان کو اندر آتے دیکھ کر بولا۔

"جناب یہ آدمی بیچ بازار کھڑا ہو کر اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا تھا اس سے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے منع کرنے پر بھی یہ باز نہ آیا بلکہ الٹا لڑنے مارنے پر تیار ہو گیا سپاہی نے جھوٹ بولتے ہوئے الہ دین کے جرم گنوانے شروع

کہہ دیئے۔

"اچھا گویا امن عامہ میں خلل ڈال رہا تھا!" وہ آدمی بولا۔ الہ دین حیران ہو کر سپاہی کی باتیں سن رہا تھا اور وہ سمجھ گیا کہ یہی تھانے دار ہوگا۔

"تھانے دار صاحب یہ جھوٹ بولتا ہے میں نے تو ایسی کوئی بات ہی نہیں کی۔" الہ دین بولا۔

"شٹ اپ" تھانےدار زور سے گرجا۔ الہ دین سہم گیا۔

"تھانے دار صاحب آپ کے ہونٹوں پہ مکھی بیٹھی ہے" الہ دین انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

اب تو تھانے دار صاحب کو بہت غصہ آیا۔ اور وہ لال پیلا ہوکر اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنا ڈنڈا زور سے الہ دین کے دے مارا۔ ڈنڈا بڑے زور کے ساتھ لگا تھا اس لئے الہ دین کے منہ سے بے اختیار ایک زوردار چیخ نکل گئی۔ اور اسے یوں لگا جیسے وہ

ڈنڈے کی ضرب سے زمین پہ گر گیا ہو۔

"ارے کیا ہوا۔ کیوں خواہ مخواہ سویرے سویرے چیخنے لگے۔ کبھی تو انسانوں کی طرح اٹھ جایا کرو۔" الہ دین کو اپنے باپ کی آواز کانوں میں آئی۔

"چلو جلدی سے اٹھو آج کھیت پہ بہت کام ہے۔" اس کا باپ کہہ رہا تھا۔

الہ دین نے فوراً آنکھیں کھول دیں وہ اپنے گھر میں ہی تھا اور چارپائی سے نیچے زمین پر گرا پڑا تھا۔

الہ دین کو ایک زبردست جھٹکا سا لگا۔ کیونکہ اس کو معلوم ہوگیا کہ اس نے کوئی خواب دیکھا ہے اور خواب میں ہی وہ کراچی اور شہر کی سیر کرتا رہا ہے اس نے حیرت اور افسوس سے گھر میں چاروں طرف دیکھا۔

"اب اٹھو گے بھی یا اٹھانا پڑے گا" اس کے باپ نے اپنے جوتے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور الہ دین اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

کافی دن چڑھ آیا تھا اس لئے اس کا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

باپ اسے ساتھ لے کر کھیتوں میں کام کرنے کے لئے چل پڑا۔

الہ دین اداس اداس اس کے پیچھے پیچھے بے دلی سے جا رہا تھا۔ کاش یہ سب کچھ سچ مچ ہو جائے۔ اس نے چلتے چلتے ایک آہ بھری اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد

- خواجہ عمرو عیار نے ایک جادوگرنی سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔
- عمرو عیار اپنی ہونے والی بیوی کو طلسم ہوشربا سے اغوا کرنے کے لئے نکلا۔
- ننگے جادوگر اور عمرو عیار کے درمیان دلچسپ اور انوکھی جنگ۔
- عمرو عیار کی ہونے والی بیوی نے شادی کے لئے ایک ایسے انسان کے کٹے ہوئے سر کی شرط پیش کی جو عمرو عیار کے لئے ناممکن تھا۔
- کیا عیار زمانہ عمرو عیار ناممکن کو ممکن بنا سکا ——؟
- کیا عمرو عیار کی شادی ہوگئی ——؟

انتہائی دلچسپ اور قہقہوں سے بھرپور کہانی

شائع ہوگئی ہے

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان